حالی کی ایک جھلک

صالحہ عابد حسین

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

حالی کی ایک جھلک

ڈراما

صالحہ عابد حسین

انجمن ترقیٔ اردو (ہند) علی گڑھ

پہلا اڈیشن
تعداد ۱۰۰۰
سنہ ۵۹ء

مطبوعہ
سرفراز قومی پریس لکھنؤ

کردار

۱	خواجہ الطاف حسین حالی	
۲	اسلام النسار	حالی کی نیک دل، شریف مگر تیز مزاج بیوی۔
۳	خواجہ امداد حسین	حالی کے بڑے بھائی۔ عمر حالی سے کوئی پچیس برس بڑی۔
۴	حالی کی بہن	امداد حسین سے کچھ چھوٹی۔ پرانے زمانے کی مذہبی قسم کی بامحبت بی بی۔
۵	مولوی نوازش علی	کٹر مذہبی مولوی۔ مولویانہ وضع قطع۔ حسین بخش مدرسہ کے مدرس جوانی کی عمر۔ لباس مطابق تصویر۔
۶	غالب	خوش مزاج، خوبصورت۔ بذلہ سنج۔
۷	شیفتہ	نواب مصطفےٰ علی خاں شیفتہ۔ رئیس جہانگیر آباد۔ لباس مطابق تصویر۔

۸-۹	دو بچے	عمر ۱۰ اور ۱۲ سال۔ شیفتہ کے بچے۔ کارچوبی ٹوپیاں۔ کامدار صدریاں پہنے۔
۱۰	مولوی محمد حسین آزاد	اردو کے مشہور مصنف (لباس مطابق تصویر)
۱۱	تفتہ	ہرگوپال تفتہ۔ غالب کے شاگرد۔ نوجوان۔
۱۲	حافظ محمد یعقوب	خواجہ امداد حسین کے دوست۔ ان ہی کے ہم عمر۔
۱۳	کرم اللہ خاں	حالی کے دوست
۱۴	سر سید احمد خاں	لباس و صورت مطابق تصویر۔
۱۵	سید محمود	نوجوان۔ حلیہ مطابق تصویر۔ تیز ذہین۔ خوش گفتار۔
۱۶	راس مسعود	(سر راس مسعود) خوبصورت ۷ سالہ بچہ۔
۱۷	عبدالحق	مولوی عبدالحق۔ نوجوانی کی عمر۔ لباس سوٹ۔ ترکی ٹوپی۔
۱۸	وحید الدین سلیم	مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی۔ جوانی کی عمر۔ کالا رنگ۔ بھدا نقشہ۔

		لباس ترکی ٹوپی۔ اچکن اور علی گڑھ کاٹ کا پاجامہ۔
۱۹	شیخ اسمٰعیل	نوجوان۔ حالی کے ہم وطن اور معتقد۔ لباس اچکن۔ ترکی ٹوپی۔
۲۰	لالہ بہاری لال	حالی کے دوست۔
۲۱	بیدل	حالی کے دوست۔
۲۲	خواجہ سجاد حسین	حالی کے چھوٹے بیٹے۔ لباس کبھی کرتا پاجامہ۔ کبھی سوٹ اور ترکی ٹوپی۔ حالی سے ملتی جلتی صورت۔
۲۳	نانون خاں	جوان عمر کا ملازم۔ غریبانہ کپڑے۔ بے وقوف سا آدمی۔
۲۴	عطا اللہ	بوڑھا ملازم۔ بہرا۔ لنگڑا۔ ہاتھوں میں نقص۔ بدمزاج مگر نیک دل۔
۲۵	مامی	جوگیا لباس۔ گلے میں بہت سی مالائیں۔ چہرے پر بھبھوت۔ باتونی۔ جلاپا۔
۲۶	خدا بخش	
۲۷	منشی دیا نرائن نگم	اڈیٹر رسالہ زمانہ (لباس مطابق تصویر)
۲۸	لالہ تلسی رام	حالی کے دوست و ہم وطن

راوی

پانی پت ہندوستان کا بہت قدیم اور مشہور شہر ہے۔ ہندوستانی تاریخ کی تین مشہور لڑائیاں اس بستی میں لڑی گئیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ مہابھارت کی جنگ بھی اس شہر میں ہوئی تھی۔ اور اس بستی کے خاک سے بڑے بڑے ولی اللہ عالم، فاضل اور بلند پایہ ادیب و شاعر بھی پیدا ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اور محبوب نام خواجہ الطاف حسین حالی کا ہے جو ایک بڑے عالم، بلند پایہ شاعر، سلجھے ہوئے ادیب، پہلے نقاد اور سیاسی اور سماجی رفارمر کی حیثیت سے سارے دیس میں مشہور ہیں۔

ان کے جد اعلیٰ حضرت ابوایوب انصاری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے بزرگ عرب سے ایران جا کر بسے۔ پیر ہرات نہ صرف ایران کے فرماں روا بلکہ مذہبی رہنما بھی تھے۔ ان کے بیٹے خواجہ ملک علی ہندوستان آئے اور بادشاہِ وقت نے ان کو قصبہ پانی پت کے نواح میں اراضی کی معافی دے کر بسا دیا تھا ملک علی کی اولاد میں سے ایک بزرگ خواجہ ایزد بخش محلہ انصار پانی پت میں رہتے تھے۔ ان کے دو لڑکے دو لڑکیاں تھیں۔ سب سے بڑے لڑکے کا نام امداد حسین تھا اور سب سے چھوٹی اولاد الطاف حسین تھے جنھوں نے ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ میں جنم لیا۔ ان کی والدہ پانی پت کے ایک مشہور سید خاندان کی بیٹی تھیں۔ حالی کی پیدائش کے بعد سے ان کی والدہ کا دماغ میں خلل سا پیدا ہوگیا تھا۔ نو سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اس دُرِ یتیم کی پرورش بڑے بھائی اور بہنوں نے کی۔ چھوٹی سی عمر میں قرآن شریف کی تعلیم دی گئی اور پانی پت کی

مشہور عالم قرأت میں ماہر بن گئے۔ اگرچہ اس کے بعد باقاعدہ تعلیم نہ ہو سکی مگر مختلف علماء سے عربی فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے اور اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے اُستادوں کے محبوب رہے۔

حالی ابھی سترہ سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ بہن بھائی کو شادی کا شوق پیدا ہوا اور ان کے ماموں میر باقر علی کی بیٹی اسلام النساء سے ان کی نسبت ٹھیرائی گئی۔ الطاف حسین ابھی شادی نہ کرنا چاہتے تھے۔ انھیں علم کی سچی پیاس تھی اور وہ جانتے تھے کہ انھوں نے ابھی علم کے ساگر میں سے ایک چلو بھی نہیں پیا ہے۔ لیکن بزرگوں کے سامنے ان کی کیا چل سکتی تھی۔ الطاف حسین مجبور ہو گئے اور شادی کے بندھن میں باندھ دیئے گئے۔ لیکن سچے طالب علم کو کوئی بندھن بھی طلب علم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ سرسوتی دیوی کا یہ پجاری مایہ موہ کے سلے جال کو توڑ کر ایک دن ......

پہلا ایکٹ

پہلا سین

(رات کا وقت ہے۔ ایک کونے میں بہت دھیمی لو سے کڑوے تیل کا چراغ جل رہا ہے۔ ایک بڑے سے دالان میں بیچ میں پردہ پڑا ہے۔ ایک طرف پلنگ پر امداد حسین رضائی اوڑھے سو رہے ہیں اور ان کے خراٹوں کی آواز آ رہی ہے۔ پردے کی دوسری طرف دو پلنگ بچھے ہیں۔ ایک پر اسلام النسا، سر سے پیر تک رنگین ریشمی رضائی اوڑھے محوِ خواب ہیں۔ دوسرے پلنگ پر الطاف حسین جن کی عمر سترہ سال کی ہے، سفید کرتا پاجامہ پہنے لیٹے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ زرا دیر بعد وہ سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ دبے پاؤں پلنگ سے اٹھتے ہیں۔ بستر کے نیچے سے کپڑوں کی ایک گٹھری نکالتے ہیں۔ طاق میں سے ایک پوٹلی اٹھا کر گٹھری میں باندھتے ہیں۔ کھونٹی پر سے انگرکھا اتار کر پہنتے ہیں اور جیب میں سے کچھ روپے نکال کر گنتے ہیں۔ کھنکھناہٹ کی آواز پر ان کی بیوی کروٹ بدلتی ہیں اور الطاف حسین گھبرا کر اپنے پلنگ پر لیٹ جاتے ہیں۔ پھر یہ دیکھ کر کہ وہ سو رہی ہیں اٹھتے ہیں۔ جوتہ پہن کر باہر جانے لگتے ہیں۔ پھر پلٹتے ہیں اور بیوی کے پلنگ کے پاس زرا دیر کھڑے رہتے ہیں۔ دیئے کی

مدھم روشنی میں چہرے پر ایک کشمکش کی کیفیت نظر آتی ہے۔ پر وہ ہٹا کر دوسری طرف آتے ہیں۔ بھائی کے سرہانے ذرا دیر کھڑے رہتے ہیں منہ ہی منہ میں اور کہتے ہیں "بھائی صاحب خدا حافظ ۔۔۔ اپنے نالائق بھائی کو معاف کر دیجئے گا۔۔۔" ایک ہاتھ سے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو پونچھتے ہیں اور دالان سے باہر نکل جاتے ہیں۔ امداد حسین کے خراٹے تھم جاتے ہیں ۔۔۔ وہ سر اُٹھا کر بھاری آواز میں کہتے ہیں۔ "کون ہے"۔ جواب نہ پا کر پھر سر تکیئے پر رکھ دیتے ہیں۔ پردے کے دوسری طرف اسلام النساء کچھ بڑبڑاتی ہیں اور پھر غافل ہو جاتی ہیں۔ الطاف حسین جوتے ہاتھ میں لئے دروازے کی طرف جاتے نظر آتے ہیں ۔۔۔۔

روشنی پہلے بالکل غائب ہو کر چند لمحے بعد پھر تیز ہو جاتی ہے۔ اب دن کا وقت ہے سورج چمک رہا ہے۔ الطاف حسین پا پیادہ تھکے ہوئے انداز میں ایک سڑک پر چلے جا رہے ہیں اور کچھ دیر بعد تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ پاؤں کو ہاتھ میں لیتے ہیں اور کانٹا نکالتے ہیں۔ گٹھری میں سے ستو کی چھوٹی سی پوٹلی نکالتے ہیں۔ چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آتی ہے کہتے ہیں "تو بھئی الطاف حسین۔ ستو بھی آج ختم ہو رہے ہیں۔ جوتے بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اب ننگے پاؤں رہ نوردی کرو اور آبلہ پائی کا لطف اُٹھاؤ۔۔۔ سات دن ہو گئے چلتے چلتے پر ہنوز دلی دور است ۔۔۔ ابھی سات کوس اور جانا ہے ۔۔۔ مگر ہمت ہارنا مردوں کا کام نہیں ہے۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

ایک نئے عزم کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ چلنا شروع کرتے ہیں مگر

پاؤں میں آبلے پڑے ہیں۔ چلا نہیں جاتا۔ پیچھے سے کسی کی گنوارو لہجے میں پکارنے کی آواز "اے میاں جوان ۔۔۔ ہوت ۔۔۔ ہوت ۔۔۔ ارے سنیو بھیا۔" الطاف حسین رُک کر پیچھے دیکھتے ہیں۔ ایک دیہاتی بڈھا لپکتا ہوا ان کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔

دیہاتی۔ میاں جوان۔ کہاں سے آرہے ہو۔ کہاں جاؤ گے؟

الطاف حسین۔ بڑے میاں پانی پت سے آیا ہوں۔ دلی جاؤں گا۔

دیہاتی۔ رام۔ رام۔ اتی دور سے یونہی پیدل چلے آرہے ہو؟ تہ۔ تہ۔ تہ ۔۔ پیر زخمی ہو گئے سارے۔

آؤ بھیا ۔۔۔ میں بھی دلی جا رہا ہوں (ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے) وہ دیکھو ۔۔۔ اُدھر میری بہلی کھڑی ہے۔ چلو تم بھی چلو۔

الطاف حسین (خوش ہو کر) خدا تمہارا بھلا کرے بڑے میاں۔ چلو۔۔۔

(دونوں روانہ ہوتے ہیں)

الطاف حسین (گنگنا کر) سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے۔

دیہاتی۔ (مڑ کر) کیا مجھ سے کچھ کہہ رہے ہو میاں جوان؟ (دونوں اسٹیج سے باہر نکل جاتے ہیں۔)

(پردہ گر جاتا ہے)

دوسرا سین

(حسین بخش کے مدرسے کا صحن۔ صبح سویرے کا وقت ہے۔ صحن میں نماز پڑھنے کے ایک چبوترے پر سر کے نیچے دو اینٹیں رکھے اور ایک پتلی سی چارخانے کی چادر اوڑھے الطاف حسین سو رہے ہیں۔ ان کا منہ اسٹیج کی طرف ہے۔ دور کہیں سے آذان کی آواز آتی ہے تو وہ ہڑبڑا کر اٹھتے ہیں۔ کلمہ پڑھتے ہیں۔ پاس رکھے مٹی کے لوٹے سے وضو کرتے ہیں اور اندر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ دو تین منٹ بعد سر پر رومال باندھے واپس آتے ہیں۔ پیٹ پر اس انداز سے ہاتھ پھیرتے ہیں جیسے بھوکے ہوں۔ طاق میں سے مٹی کا ایک آب خورہ اٹھاتے ہیں جس میں کچھ بھنے ہوئے چنے پڑے ہیں۔ مٹھی بھر چنے کھا کر قریب رکھے ہوئے گھڑے میں سے پانی لیتے ہیں اور شکر الحمد للہ کہہ کر جھاڑو سے صحن میں صفائی کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد اندر سے ایک موٹی سی کتاب ایک کاپی اور قلم دوات نکال لاتے ہیں اور ایک طرف بیٹھ کر کچھ لکھنے لگتے ہیں۔

ذرا دیر بعد مولوی نوازش علی مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں۔ سفید داڑھی۔ شرعی پاجامہ۔ نیچا کرتا۔ سر پر عمامہ۔ الطاف حسین کو دیکھ کر ذرا سا مسکراتے اور سر ہلاتے ہیں اور وہیں ایک چوکی پر بیٹھ جاتے ہیں)

مولوی نوازش علی۔ الطاف تمہیں جب دیکھتا ہوں لکھتے پڑھتے ہی دیکھتا ہوں۔

ہزاروں طالب علموں کو پڑھا چکا ہوں مگر ایسا شوقین و ذہین لڑکا دوسرا نہیں ملا۔
ماشاء اللہ سوا سال ہی میں تم نے کتنی قابلیت بڑھالی ہے۔ مجھے فخر ہے تم پر۔

(الطاف حسین مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں)

مولوی نوازش۔ بھئی تم نے بتایا تھا کہ کسی منطقی مسئلہ پر ایک رسالہ لکھ رہے ہو۔ کیا مکمل ہو گیا؟

الطاف حسین۔ جی ہاں مولانا۔ آج ہی پورا کیا ہے۔ اجازت ہو تو دکھاؤں؟

مولوی نوازش۔ ہاں۔ لاؤ دیکھیں۔ کیا لکھا ہے تم نے۔

(الطاف حسین کاپی لاکر مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہیں وہ ورق الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ چہرے پر پہلے پسندیدگی پھر ناپسند اور پھر غصّے کے آثار نظر آتے ہیں۔ غصّے سے الطاف حسین کو گھورتے ہیں)

مولوی نوازش علی۔ (غصّہ سے) کیوں میاں[۱] ہمارا شاگرد اور وہابیوں کے خیالات سے متاثر ہو؟

الطاف حسین (سر جھکا کر) مولانا۔ میرے خیال میں مولوی صدیق حسن صاحب نے اس مسئلہ پر بڑی صائب رائے دی ہے۔ اور میں نے ان کی تائید میں...

مولوی نوازش (بات کاٹ کر غصیلے انداز میں) جناب ایک وہابی مولوی کی تائید فرما رہے ہیں ـــ ہوں ـ (کتاب کو چیر پھاڑ کر کے پھاڑتے ہیں) تو۔ یہ تو ـــ ایسی کتاب ـــ ہمارا شاگرد اور وہابی!!

(الطاف حسین ایک لمحے کے لئے سکتے میں رہ جاتے ہیں۔ چہرے پر سخت

---

[۱] یہ واقعہ خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے۔

تکلیف اور صدمے کے آثار ہیں۔ مگر سر جھکائے کھڑے ہیں۔ مولوی صاحب ایک سنٹ تک شاگرد کو دیکھتے رہتے ہیں اور پھر جیسے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں)

مولوی نوازش۔ میاں صاحبزادے۔ آپ ابھی بچے ہیں۔ ایسے اہم اور منطقی مسئلوں میں نہ الجھیں تو اچھا ہے۔ پھر اگر ان وہابیوں کے خیالات کا اثر آپ نے قبول کر لیا تو دین دنیا دونوں سے جاؤ گے۔ یہ میں مانتا ہوں کہ تم نے یہ رسالہ بڑی لیاقت اور کاوش سے تحریر کیا ہے اور اپنی پہلی تصنیف کے ضائع ہونے کا تم کو قلق ہوگا۔ مگر وہابی مولوی کی تائید میں جو رسالہ لکھا جائے اس کا یہی حشر ہونا چاہیئے۔

(یہ کہتے ہوئے مولوی صاحب اٹھ کر اندر چلے جاتے ہیں۔ الطاف حسین کاپی کے پھٹے ٹکڑوں کو ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں۔ آنکھوں میں آنسو ہیں اور نظریں آسمان کی طرف۔) پردہ گر جاتا ہے۔

تیسرا سین

(غالب کا دیوان خانہ۔ چاندنی کے فرش پر قالین کے اوپر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے غالب بیٹھے ہوئے ہیں۔ عمر ۵۵۔ ۶۰ کے درمیان ہے۔ داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ بالوں میں سفیدی جھلک رہی ہے۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی ہے۔ چکن کا انگرکھا پہنے ہیں۔ ہاتھ میں قلم اور زانو پر کاپی رکھی ہے اور وہ انہماک سے کچھ لکھ رہے ہیں۔ ہرگوپال تفتہ سامنے ادب سے بیٹھے ہیں۔ پردہ اُٹھنے کے ذرا دیر بعد الطاف حسین داخل ہوتے ہیں۔ غالب نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ الطاف حسین تسلیم کرتے ہیں)

غالب۔ آؤ آؤ بھئی الطاف حسین۔ بہت دن بعد آئے بیٹھو۔

(الطاف حسین ادب کے ساتھ سامنے دو زانو بیٹھ جاتے ہیں)

غالب۔ الطاف حسین اُس دن مشاعرے میں تو تم نظر آئے تھے۔ مگر عرصے سے یہاں نہیں آئے۔

الطاف حسین۔ مرزا صاحب۔ حاضر ہونے کو دل تو بہت چاہتا تھا مگر جناب کی مصروفیت کا خیال مانع تھا۔

غالب۔ تمہارے جیسے سخن فہم اور ذوقِ سلیم رکھنے والے نوجوان کے لئے

میرے پاس ہمیشہ وقت ہے۔ بھائی یہ کسی رئیس کا دربار تو نہیں ہے فقیر کا تکیہ ہے۔ جس کا جی چاہے آئے اور جب چاہے آئے۔

الطاف حسین۔ جناب نے اُس دن مشاعرے میں بے مثال غزل پڑھی۔ سبحان اللہ ؎

شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

غالب۔ میاں تم کو ہمارا کلام پسند آتا ہے۔ تعجب ہے۔ ورنہ یہاں تو لوگ کہتے ہیں ؎ مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے۔

شیفتہ۔ اُستاد ایک زمانہ آئے گا جب لوگ آپ کے کلام کو سر آنکھوں پر جگہ دیں گے۔

غالب۔ (مسکرا کر) ریختہ تو میں یونہی دل بہلانے کے لئے کہہ لیتا ہوں۔ ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ بگزر از مجموعۂ اُردو کہ بے رنگ من است

الطاف حسین۔ حضور مرزا صاحب۔ میں کیا اور میری رائے کیا۔ مگر میرا یہ عقیدہ ہے کہ ایک دن آئے گا جب آپ کے اُردو کلام کو صاحبِ ذوق حضرات سرمۂ نگاہ بنائیں گے اور سارے ہندوستان میں اس کو شہرت اور ہر دل عزیزی حاصل ہوگی۔ (غالب مسکرا کر خاموش ہو جاتے ہیں)

الطاف حسین۔ مرزا صاحب جناب سے ایک شعر کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔

غالب۔ ہاں ہاں بھئی ضرور۔

الطاف حسین۔ جناب کا ایک شعر ہے ؎

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے!

اس کا مطلب میں پوری طرح سمجھ نہیں سکا ہوں۔

غالب۔ (مسکرا کر) اٹھے کی جگہ جز پڑھو معنی خود سمجھ میں آجائیں گے۔ میاں شعر کا مطلب یہ ہے کہ قمری جو ایک کفِ خاکستر سے زیادہ اور بلبل جو ایک قفسِ عنصری سے زیادہ نہیں ان کے جگر سوختہ ہونے کا ثبوت صرف ان کے بولنے یا چہکنے سے ہوتا ہے۔

الطاف حسین۔ (سر ہلا کر) قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ۔
جز نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے! سبحان اللہ۔
اب مطلب واقعی بالکل صاف ہو گیا ہے۔ مرزا صاحب۔ اگر گستاخی معاف ہو تو ایک عرض کر دوں۔

غالب۔ ہاں ہاں ضرور۔

الطاف حسین۔ اگر دوسرا مصرعہ یوں ہو تو مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔
"اے نالہ نشاں میرے سوا عشق کا کیا ہے"

غالب۔ (مسکرا کر) اصلاح تو بہت صاف اور خوب ہے۔ مگر میاں یہ غالب کا کلام ہے۔ کسی عام شاعر کا نہیں ــــ مگر تم ماشاءاللہ شعر کو سمجھنے اور پرکھنے کا خاصا ملکہ رکھتے ہو۔

شیفتہ۔ استاد میاں الطاف۔ شعر بھی تو کہتے ہیں۔ کہئے آپ نے ادھر کوئی نئی غزل کہی۔ ذرا ہمیں بھی سنائیے۔

الطاف حسین۔ مرزا صاحب کے سامنے، اس جرأت کی گستاخی نہیں کر سکتا۔

سلہ۔ مقدمہ شعر و شاعری میں سے لیا گیا۔

غالب۔ بھئی ہر گوپال ۔ نوجوانوں کو شعر و سخن پر اکسانا ان کے حق میں زہر ہے ۔
شاعر بنایا نہیں جاتا پیدا ہوتا ہے ۔
تفتہ ۔ حضور سنیں تو سہی ۔ یہ خستہ تخلص کرتے ہیں اور اچھے شعر کہہ لیتے ہیں ۔ ہاں بھئی ذرا سناؤ تو استاد کو کوئی اپنا شعر ۔ (غالب ناگواری کے ساتھ پہلو بدلتے ہیں ۔ الطاف حسین سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں)
الطاف حسین ۔ مرزا صاحب سماعت فرمایئے ؎

قلق اور دل کا سوا ہو گیا　　دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

غالب ۔ ہوں ۔ ہوں (سر ہلاتے ہیں)
الطاف ۔ دکھانا پڑے گا ہمیں زخم دل ـــــ اگر تیر اس کا خطا ہو گیا
تفتہ ۔ واہ وا ۔ سبحان اللہ ۔
غالب ۔ ہوں ۔ رمز خوب ہے ۔
الطاف ۔ (سلام کر کے) عرض کیا ہے ؎

وہ امید کیا جس کی ہو انتہا　　وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
نہیں بھولتا اس کی رخصت کا وقت　　وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا
سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد　　ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

(غالب جھوم رہے ہیں ۔ تفتہ داد دے رہے ہیں ۔ الطاف سلام کرتے ہیں)
الطاف حسین ۔ ؎
نہ دے میری امید مجھ کو جواب　　رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا !!

غالب۔ واہ میاں الطاف واہ۔ خوب خوب شعر نکالے ہیں۔[1] اگرچہ میں کسی کو فکرِ سخن کی صلاح نہیں دیا کرتا مگر تمہاری نسبت میرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہوگے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کروگے۔ تم تو ماشاء اللہ فطری شاعر ہو۔

(الطاف حسین کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا ہے)

الطاف۔ مقطع بھی سماعت فرمائیے ؎

ٹپکتا ہے اشعارِ خستہ سے حال کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا!

غالب (گردن ہلاکر) بھئی یہ خستہ وخراب تخلص ہمیں پسند نہیں۔ تخلص کا بڑا اثر پڑتا ہے شاعر پر۔ ہم بھی مدتوں اسد تخلص کرتے رہے۔ مگر دنیا اس فقیر کو غالب ہی کے نام سے یاد کرے گی۔ تم بھی تخلص بدل ڈالو۔

الطاف حسین۔ مناسب فرمایا جناب نے (کچھ دیر سوچ کر) کیوں مرزا صاحب حالی تخلص کیسا رہے گا ؎

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

غالب۔ ہاں۔ یہ اچھا ہے ؎ ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال۔ حالی خستہ سے یقیناً بہتر رہے۔

شفتہ۔ پھر پڑھیے یہ شعر۔

حالی۔ ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا!

شفتہ۔ (مسکراکر) میاں یہ شعر کچھ اور چغلی کھا رہا ہے۔ کیا اتنی سی عمر میں کوئی چوٹ کھا بیٹھے!

---

[1] یادگارِ غالب

حالی (شرما کر) آپ شاعر ہیں جانتے ہیں کہ شاعر محض تقلید میں بھی ایسے شعر کہتا ہے۔

غالب۔ میاں جب تک دل پر گہری چوٹ نہ پڑے غزل کہنا بے سود ہے۔ خونِ جگر کی آمیزش کے بغیر غزل میں رنگ و اثر پیدا نہیں ہوتا۔

(حالی شرما کر چپ ہو جاتے ہیں۔ غالب پھر کچھ لکھنے لگتے ہیں۔ حالی ذرا دیر بعد کہتے ہیں)

حالی۔ مرزا صاحب۔ ابھی ایک شعر نئے تخلص میں ہوا ہے۔ عرض کر دوں؟

غالب۔ ہاں ہاں، سنائیے۔

حالی۔ ؎ حالی بس اب یقیں ہے کہ دلّی کے ہو رہے!
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا!

غالب۔ واہ واہ ؎ ہے ذرّہ ذرّہ مہر فزا اس دیار کا۔ میاں تم ابھی اس مہر فزا دیار کی محبّت کو کیا سمجھو گے۔ ہم سے پوچھو جو پچاس برس سے یہاں دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ واہ واہ ؎ ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

(حالی خوش ہو کر سلام کرتے ہیں غالب شعر پڑھ رہے ہیں کہ پردہ گر جاتا ہے)

چوتھا سین

(وہی حسین بخش کا مدرسہ۔ دالان میں ایک کونے میں بانوں کی چارپائی پر سرا ہے دری میں بستر لپٹا رکھا ہے۔ حالی اس پر بیٹھے عربی کی ایک کتاب پڑھ رہے ہیں۔ دو تین کتابیں اور پاس رکھی ہیں۔ کبھی کبھی دوسری کتاب کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔ سامنے سے خواجہ امداد حسین کرتا پاجامہ انگرکھا پہنے اور سر پر صافہ باندھے آتے نظر آتے ہیں۔ حالی کی نظر اٹھتی ہے "بھائی صاحب" منہ سے نکلتا ہے اور دوڑ کر ان سے لپٹ جاتے ہیں۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ذرا دیر میں حالی سنبھل کر بھائی کو لا کر چارپائی پر بٹھا دیتے ہیں اور خود مجرم کے انداز سے سامنے کھڑے رہتے ہیں)

امداد حسین (چاروں طرف دیکھ کر) کیوں الطاف کس قصور پر تم ہم سب کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ کیا خطا کی تھی کہ خیریت کا ایک پرزا بھی نہ بھیجا۔ وہاں بہنیں رو رو کر مری جاتی ہیں۔ کم سن بیوی اندر ہی اندر گھٹ رہی ہے اور بھائی یاد میں بے قرار ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور تم دلی میں منہ اٹھائے ہو۔

حالی (سر جھکائے ہوئے) بھائی صاحب۔ قصور وار ہوں۔ جو چاہے سزا دیجئے۔

امداد حسین۔ ڈیڑھ سال گزر گیا تمھیں تلاش کرتے کرتے۔ بارے اب جا کر

پتہ چلا کہ حضرت یہاں ہیں۔ دل نہ مانا۔ اتنی دور دراز کی مسافت طے کر کے آنا پڑا۔ آخر تمھیں وہاں کیا تکلیف تھی کہ گھر کا عیش و آرام چھوڑ کر بھاگ آئے اور یہاں اس اجاڑ مدرسہ میں بے نواؤں کی طرح پڑے ہو۔

حالی۔ بھائی صاحب علم کی پیاس مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ اور خدا کی مہربانی سے میں نے یہاں بہت کچھ سیکھا دتی کے مشہور علما اور فضلا مولوی نوازش علی، مولوی فیض حسن قبلہ، مولوی امیر احمد اور شمس العلما میاں سید نذیر حسین قبلہ کے درس سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔ آپ کا یہ خادم علم کی ایسی پیاس اپنے اندر رکھتا ہے جو ہر محبت پر غالب آجاتی ہے۔

امداد حسین۔ طلب علم سے تمھیں وہاں کون منع کرتا تھا۔ بیوی تمہاری کھاتے پیتے گھر کی ہے اور زیادہ تر میکے میں رہتی ہے۔ ہم لوگوں کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ تھا خیر ــ مضیٰ ما مضیٰ۔ اب اپنا سامان باندھو اور میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو۔

حالی۔ (ہچکچا کر) بھائی صاحب ابھی تو میری تعلیم بالکل ادھوری ہے۔ کم سے کم دو تین سال تک اور یہاں رہنے کی اجازت دیجیے کہ تکمیل تعلیم کر سکوں۔

امداد حسین۔ اور وہاں بہنیں اور بیوی جو رو رو کر مری جا رہی ہیں۔ سارا کنبہ جو انتظار میں چشم براہ ہے۔

حالی۔ تو اس وقت میں جناب کے ساتھ چلتا ہوں۔ مگر وعدہ کیجیے کہ چند دن بعد پھر یہاں آنے کی اجازت عطا فرما دیں گے۔

امداد حسین۔ (مسکرا کر) اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ پھر بھاگ جانا۔

(سنجیدگی سے) میاں، تم دلی میں رہتے ہو مگر کچھ خبر نہیں کہ آجکل یہاں کی حالت کیا ہے۔ ہر طرف جھگڑے فساد کا چرچا ہے۔ اندر ہی اندر لاوا کھول رہا ہے خدا جانے کب کیا ہو جائے۔ ایسی صورت میں کس دل سے تمھیں دلی میں چھوڑ دیا جائے۔ بحث مباحثہ بیکار ہے اب چلنے کو تیار ہو جاؤ۔ (اٹھ کھڑے ہوتے ہیں) میں اب ذرا اخبار ہا ہوں شام کو آؤں گا۔ کل واپسی ہوگی (چلے جاتے ہیں)

(حالی ایک ہاتھ سے اپنا سر پکڑتے ہیں اور پرسوز آواز میں ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں) ؎

دل پہ درد سے کچھ کام لوں گا　　اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

(پردہ گر جاتا ہے)

پانچواں سین

(پہلے سین والا دالان ۔ ترتیب بدلی ہوئی ہے ۔ تختوں کے چوکے پر دری چاندنی کا فرش ہے ۔ دو پرانے طرز کی آرام کرسیاں سامنے رکھی ہیں ۔ بیچ میں بڑی سی گول میز ہے ۔ بہت سی کتابیں میز پر رکھی ہیں ۔ ایک کرسی پر کتاب لیے سر جھکائے حالی مطالعہ کر رہے ہیں ۔ چہرے پر تھوڑی تھوڑی مونچھیں نظر آرہی ہیں ۔ ذرا دیر بعد حالی کی بہن عمر لگ بھگ ۵۰ سال ، تنگ سیدھا پاجامہ سفید دوپٹہ ہاتھ میں تسبیح لئے داخل ہوتی ہیں ۔ بھائی کو ایک لمحے دیکھتی رہتی ہیں اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہیں " ایک بچے کا باپ ہو گیا مگر پڑھنے کی دھن نہ گئی ۔ ہر وقت پڑھنا ہر وقت پڑھنا ـــ " آگے بڑھتی ہیں ۔)

بہن ۔ اے الطاف ـــ الطاف ۔ اوئی بھیا ایسی بھی کیا بے خبری ۔ پکارو سنتے ہی نہیں ۔

حالی ۔ (چونک کر سر اٹھاتے ہیں) ارے آپا ـــ آپ ـــ آئیے تشریف رکھیئے ۔ کیسے تکلیف فرمائی ؟ (بہن تخت پر بیٹھ جاتی ہیں اور تسبیح پھیرتی رہتی ہیں)

بہن ۔ بھیا ۔ کب تک پڑھے جاوے گا خیر سے بچے کا باپ ہوا اب

بھی کسی بات کی فکر نہیں۔

حالی۔ فکر کیسی آپا۔ خدا آپ کو اور بھائی صاحب کو سلامت رکھے مجھے کس بات کی فکر۔

بہن۔ (مسکرا کر) کیسا بھولا ہے میرا بیرن۔ اے میاں اب بال بچوں والے ہوئے کچھ کمانے دھمانے کا خیال بھی ہے کہ نہیں؟

حالی۔ آپا ابھی تو میری تعلیم ہی مکمل نہیں ہوئی۔

بہن۔ جانتے ہو بھائی کے سر پر کتنے بڑے خاندان کا بار ہے۔ کہنے کو بچارے بے اولاد ہیں۔ مگر کنبے رشتے کے بیسوں آدمیوں کی مدد کرتے ہیں۔ زمینداری سے آمدنی ہی کیا ہے۔ جانے کیسی تنگی ترشی سے بسر ہوتی ہے۔ مگر خیر سے جوان بھائی قوتِ بازو ہوتا ہے۔ اب تم کہیں نوکری کر لو تو بھائی کو سہارا ملے۔

حالی۔ (کسی سوچ میں پڑکر) آپا۔ نوکری کرنا مجھے پسند نہیں۔ غلامی کی زندگی۔ پھر نوکری ہے کہاں؟

بہن۔ یہ سب نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ تم نے خیر سے اتنا پڑھا لکھا ہے پھر بھی نوکری نہ ملے گی؟

(حالی کتاب کو گھٹنوں پر رکھ لیتے ہیں اور کسی گہری سوچ میں کھو جاتے ہیں۔ بہن تسبیح پھیرتی اٹھ کر چلی جاتی ہیں۔ اور ذرا دیر بعد اسلام النساء گود میں چھ مہینے کے بچے کو لئے اندر آتی ہیں۔ گلابی دوپٹہ، فرشی پائنچوں کا پاجامہ، چھوٹا سا سفید کرتا۔ کانوں میں بالیاں، ہاتھوں میں کانچ کی

چوڑیاں اور سونے کے کڑے پہنے ہوئے۔ سر پہ دوپٹہ ماتھے تک بڑھا ہوا۔ آکر میاں کی کرسی کے پیچھے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ بچے کے رونے کی آواز پر حالی چونک کر مڑتے ہیں۔ ذرا سا مسکراتے ہیں۔ بچہ ان کی طرف ہمکتا ہے اور وہ اسے گود میں لے لیتے ہیں۔ بیوی تخت پر بیٹھ جاتی ہیں۔ حالی بچے کو چمکارتے اور باتیں کرتے ہیں)

حالی۔ (بیوی سے) دیکھو تو ذرا! اخلاق بالکل بھائی صاحب پر گیا ہے۔

اسلام النساء۔ کہیں بھی تو نہیں۔ بالکل تمھیں پڑا ہے۔

حالی۔ نہیں۔ بھائی صاحب سے زیادہ ملتا ہے۔ بچہ بھی تو ان کا ہی ہے۔

اسلام النساء۔ زبان سے کہنے سے اپنا بچہ دوسرے کا تو نہیں ہو جاتا۔

حالی۔ ہا۔ ایسی بات زبان سے کبھی نہ نکالنا۔ بھائی صاحب نے یا بھابی نے سن لیا تو انھیں رنج ہوگا۔ اخلاق انھیں کا بچہ ہے۔

اسلام النساء۔ خیر انھیں کا بچہ سہی۔ پھر بھی تمھیں اس کا خیال تو ہونا چاہیے کہ ان پہ اپنا، میرا اور بچے سب کا بار ڈالنا ٹھیک نہیں۔ اب آخر تم کب تک پڑھے جاؤ گے۔ کچھ کام کرونا۔

حالی۔ (مسکرا کر) معلوم ہوتا ہے آج سب نے صلاح کر کے مجھ پر دھاوا بولا ہے کہ نوکری کرو۔ (بچہ رونے لگتا ہے حالی کھڑے ہو کر اسے بہلاتے ہیں۔ جب نہیں بہلتا تو بیوی کو دیدیتے ہیں)

اسلام النساء۔ دھاوا بولنے کی کونسی بات ہے۔ آخر سوچو۔ بیوی بچوں کا بار اٹھانا ہر مرد کا فرض ہے کہ نہیں۔ بیاہ ہوئے چار برس ہو گئے۔ کہاں

تک میکے والوں کا احسان لوں! کہاں تک جیٹھ جیٹھانی کی دستِ نگر رہوں۔
حالی۔ اچھا بی اچھا۔ تمہارا مطلب سمجھ گیا کہ اب پھر تم سب لوگ میری تعلیم میں رکاوٹ ڈالو گے۔ خیر سوچوں گا۔ (قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ خواجہ امداد حسین آتے ہیں اسلام النساء بڑا سا گھونگھٹ نکال کر چپ چاپ کھڑی ہو جاتی ہیں اور جب وہ آکر بیٹھ جاتے ہیں تو پیچھے سے باہر نکل جاتی ہیں)
امداد حسین۔ کہو میاں الطاف اب کیا ارادہ ہے۔ کہیں نوکری دوکری کی فکر کرو۔
حالی۔ بھائی صاحب آپا بھی ابھی یہی کہہ رہی تھیں۔ میں جیسا آپ لوگوں کا حکم ہو تیار ہوں۔ مگر آپ ہی بتایئے کہاں نوکری کروں؟
امداد حسین۔ میاں نجن خبر لائے ہیں کہ حصار میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر میں سر رشتہ دار کی جگہ خالی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تم وہاں جا کر درخواست دو اور کوشش کرو تو یہ جگہ مل جائے گی۔
حالی۔ اگر آپ کی اور بھائی نجن کی یہی رائے ہے تو میں تیار ہوں۔
امداد حسین۔ ہاں میاں۔ تم جانتے ہو جائیداد کی آمدنی بہت تھوڑی ہے اور خرچ ماشاء اللہ زیادہ ہے۔ اب تم ہی سہارا لگاؤ گے تو یہ گاڑی چلے گی۔
حالی۔ بہت خوب تو میں جانے کی تیاری کرتا ہوں۔
امداد حسین۔ ویسے میرا دل تو نہیں چاہتا۔ زمانہ پر آشوب ہے۔ جہاں تہاں سے ہنگاموں کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ خدانخواستہ غدر ہو جانے

کی افواہیں گشت کر رہی ہیں مگر بھائی ے مرد باید کہ ہراساں نہ شود۔
حالی۔ جی نہیں آپ پریشان نہ ہوں۔ خدا تو ہر جگہ حفاظت کرنے والا موجود ہے (دونوں اُٹھتے ہیں پردہ گرجاتا ہے۔)

(راوی۔ "ڈیڑھ سال بعد......"
(پس منظر میں شور، ہنگامہ، مار کاٹ کی آوازیں۔ انگریزی میں فائرنگ کا حکم۔ بند وقوں کی دھائیں دھائیں۔ ہر ہر مہادیو یا علی شیر۔ اللہ ہو اکبر کے نعرے۔ ہائے وائے رونے پیٹنے کی آوازیں سب پہلے ملی جلی سنائی دیتی ہیں اور پھر رفتہ رفتہ دھیمی پڑجاتی ہیں اور دور سے گھوڑے کے ٹاپ کی آواز سنائی دیتی ہے اور دو تین آدمیوں کی باتوں کی آواز "ہاں ہاں وہ دیکھو ایک شکار آرہا ہے" "بس اس درخت کی آڑ میں چھپ جاؤ۔ جیسے ہی سوار پاس سے گزرے اُسے چاروں طرف سے گھیر لینا۔" "ہوشیار — وہ قریب آرہا ہے — دیکھنا کوئی ہتھیار اس کے پاس نہ ہو۔" گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز قریب آتی ہے اور پھر ایکدم چار آدمیوں کے دوڑنے کی آواز۔
ایک آواز۔ خبردار — رُک جا —
دوسری آواز۔ جو کچھ ہتھیار ہے اُسے پھینک دے ورنہ سر بھٹا سا اُڑا دوں گا۔
تیسری۔ قدم آگے بڑھایا تو گولی سینے کے پار ہوگی۔ (گھوڑے کے

پاؤں مارنے کی آوازیں)
حالی کی آواز: "کیا ہے بھائی کیا چاہتے ہو۔"
ایک آواز۔ جو کچھ پاس ہے وہ چپ چاپ رکھ دے ورنہ پھر....
حالی کی آواز۔ میرے پاس تو بھائی نہ کوئی ہتھیار ہے نہ مالی دولت...
دوسری آواز۔ اس کی تلاشی لینا ذرا۔
حالی کی آواز۔ تلاشی لے کر کیا کروگے ۔ لو یہ تھوڑے سے روپے ہیں ۔ یہ دو جوڑے کپڑے ہیں ۔ اور اس تھیلے میں کچھ ستو اور چنے ہیں۔
تیسری آواز۔ بھائی جما اس کے کپڑوں کی تلاشی لو۔ اور یہ انگرکھا اتروالو۔ اور جوتے بھی نئے ہیں لے لو۔ (کھڑبڑ کی آوازیں)
پہلی آواز۔ لو بھائی۔ شکار بھی ملا تو ایسا جس کے پاس کچھ بھی نہیں۔
دوسری آواز۔ دیکھنا یہ اس کے گلے میں کیا لٹکا ہے ؟ ضرور اس میں مال چھپایا ہے۔
حالی کی آواز۔ بھائی یہ تو حمائل شریف ہے۔ اس کی بے ادبی نہ کرو۔
تیسری آواز۔ مہرو۔ ہاں کہتا تو سچ ہے۔ قرآن شریف ہے۔
حالی کی آواز۔ بھائی یہ مجھے واپس دیدو۔ تمہارے کس کام آئے گا۔
پہلی آواز۔ اچھا جوان ۔ لے یہ قرآن لے لے ۔ مگر گھوڑی کی لگام ادھر دے ۔ اچھی ہٹیا ہے۔ (گھوڑے کی بے چینی سے ہنہنانے کی آواز)

حالی کی آواز۔ خدا حافظ میری وفادار رفیق سفر۔ خدا حافظ
(ڈاکوؤں کی روانگی کی آوازیں چند لمحے خاموشی۔ حالی کا ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہنا "میاں الطاف۔ تمھیں بھی ہنگامہ میں اپنا حصہ مل گیا۔ اب پچاس میل کا سفر بغیر سواری اور زادِ راہ کے۔ اللہ کے توکل پر طے کرو۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ خدا کا کلام۔ تمہارا سب سے قیمتی سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے۔ اور اس پر توکل کی دولت بھی!"

دوسرا ایکٹ

دلّی کی ویرانی ۔ غدر کو تقریباً چار سال گزر چکے یہاں حالی حصار سے واپس آئے تو دیکھا کہ دلّی کے کئی تباہ شدہ خاندان ان کے گھر میں پناہ گزین ہیں صعوبات سفر نے ان کو بیمار کر دیا تھا مگر وہ سب کچھ بھول کر مصیبت زدوں کی دلداری اور خدمت میں لگ گئے ۔ اور جب ذرا اطمینان ہوا اور صحت بہتر ہوئی تو پھر درس و تدریس میں اس طرح محو ہو گئے کہ کسی بات کا ہوش نہ رہا۔

پہلا سین

(پردہ اٹھتا ہے تو حالی کے مکان کا وہی دالان ۔ گھر کی ترتیب کچھ بدلی ہوئی ہے اور مالی حالات کچھ زیادہ بگڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ۔ میز کے پاس ایک سرکنڈوں کے مونڈھے پر حالی بیٹھے ہیں اور جھکے ہوئے کچھ لکھ رہے ہیں ۔ چہرے پر چھوٹی سی کالی داڑھی ہے اور پاس مصحف رکھا ہوا ہے ۔ پردہ اٹھنے کے ساتھ ہی حافظ محمد یعقوب ۔ تقریباً چالیس سال کی عمر ۔ پرانے طرز کا لباس پہنے ہاتھ میں لکڑی لیے داخل ہوتے ہیں.
حالی مڑ کر انھیں دیکھتے ہیں ۔ پیشوائی کرتے اور لاکر بٹھاتے ہیں)

حالی ۔ بھائی محمد یعقوب آپ دلّی سے کب تشریف لائے ؟

محمد یعقوب۔ ابھی دو دن ہمسے آیا ہوں۔
حالی۔ کہئے کیا حال ہے ہماری بدنصیب دلّی کا۔
محمد یعقوب۔ دلی کا حال کیا پوچھتے ہو بھائی۔ اب کے تو ایسی اُجڑی ہے کہ شاید پھر نہ بس سکے۔ فرنگیوں کے تسلّط کو تین سال سے زیادہ ہو چکے مگر آزادی کے مجاہدوں پر ان کا عتاب ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ کتنے دن تک یہ حال رہا کہ دلّی کا کوئی محلہ نہ تھا جہاں سولی نہ کھڑی ہو بے گناہوں اور آزادی کے جاں بازوں کو شہادت کا درجہ حاصل ہوتا تھا۔ اور ابھی تک پورا امن و امان کہاں ہے کتنوں نے پھانسی پائی۔ کتنے جیل میں پڑے مصیبت بھگت رہے ہیں۔ کتنوں کی جائیدادیں جاگیریں ضبط ہوگئیں۔ (وقفہ) تم نے کچھ اور بھی سُنا۔ نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ کو بھی تو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔
حالی۔ (جن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آنسو پونچھ کر) نواب صاحب تو میں نے سُنا ہے اب چھوٹ گئے ہیں۔
محمد یعقوب۔ ہاں ابھی حال میں وہ رِہا ہوئے ہیں مگر ان کی جاگیر کا بڑا حصہ ضبط کر لیا گیا ہے۔
حالی۔ اب کہاں قیام ہے؟
محمد یعقوب۔ جہانگیر آباد میں رہتے ہیں۔ تم کہو کیسی گزری۔ سُنا ہے تمہارے واپسی پر ٹھگوں نے لوٹ لیا تھا۔
حالی جی ہاں۔ ہنگامہ برپا ہوا تو سوچا گھر چلوں سب پریشان ہونگے۔

راستہ پرخطر تھا۔ ڈاکوؤں نے سب کچھ چھین لیا سوائے حمائل شریف کے۔ سفر میں بہت سی مشکلوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ صحت پر اس کا بہت اثر پڑا۔ سال بھر بیمار رہا۔ اب اچھا ہوں مگر پہلی سی توانائی پھر نہیں آئی۔

یعقوب علی۔ ہاں بھائی اس تباہی میں سب کو اپنا اپنا حصہ ادا کرنا پڑا۔ ہم ہندوستانیوں پر قہر الٰہی فرنگی کی صورت میں نازل ہوا ہے۔

حالی۔ مگر بھائی صاحب اب تو کہا جاتا ہے کہ ملک میں امن و امان قائم ہو رہا ہے۔ ٹھگی، ڈکیتی اور بدامنی رفتہ رفتہ دور ہو رہی ہے کمپنی کی حکومت ختم کرکے ملکہ وکٹوریہ کا عہدِ حکومت شروع ہو چکا ہے جس نے رعایا کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ملکہ معظمہ ہندوستان کی وفادار رعایا کی دلی خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ اب تو مایوسی کی ظلمت میں امید کی کرن نظر آ رہی ہے۔

یعقوب علی۔ ارے میاں تم بچے ہو ان چالوں کو کیا سمجھو گے۔ وہ کمپنی کی حکومت ہو یا ملکہ کی ہیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔ بظاہر امن قائم کریں گے اور اندر ہی اندر ملک کو کھوکھلا کر ڈالیں گے اور لوگوں کا دین و ایمان لیں گے وہ الگ۔ خیر چھوڑو اس تکلیف دہ ذکر کو۔ یہ کہو تم اس عرصے کیا کرتے رہے ہو۔؟

حالی۔ بس تحصیل علم میں کوشاں ہوں۔ مولوی عبدالرحمٰن، مولوی محب اللہ، مولوی قلندر علی اور مولانا ابراہیم حسین سے کسبِ فیض کرتا رہا۔ جب ان میں سے کسی کو فرصت نہ ہوئی تو شرح ولغات کی مدد سے خود مطالعہ کرتا

رہتا ہوں۔

یعقوب علی۔ یوں تو تمہارے خاندان میں سبھی علم کے شیدائی رہے ہیں مگر تمہارا سا شوقین اور علم کا عاشق دوسرا نہیں دیکھا۔ اس کم سنی میں ہی تم نے ماشاءاللہ غیر معمولی قابلیت بہم پہنچائی ہے۔ سنا ہے شعر بھی خوب کہنے لگے ہو۔

حالی۔ (کچھ شرما کر) یہ آپ کی قدر دانی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

یعقوب علی۔ خواجہ امداد حسین فرماتے تھے کہ تم دلی جانے کا ارادہ کر رہے ہو؟

حالی۔ جی ہاں خیال تو ہے۔ تقریباً چار سال سے پانی پت میں قید ہوں۔ سوچتا ہوں اب دلی جا کر کچھ روزی کی فکر کروں۔

یعقوب علی۔ تو اگلے ماہ میں بھی واپس جا رہا ہوں۔ تم اور ہم ساتھ ہی چلیں گے۔ نواب مصطفیٰ علی خاں کو اپنے بچوں کے لئے ایک اتالیق کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ تم سے مل کر خوش ہوں گے اور تمہیں بچوں کا اتالیق مقرر کر لیں گے۔ بڑا ہی صاحبِ ذوق، سخن فہم انسان ہے۔

حالی۔ بہت خوب تو میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔

یعقوب علی۔ میاں کچھ اپنے شعر بھی تو سناؤ۔

حالی۔ آپ کا اصرار ہے تو عرض کرتا ہوں۔ ابھی پچھلے ہفتے یہ غزل کہی ہے اس کے تین چار شعر سنیئے ؎

رنج اور رنج بھی تنہائی کا ! — وقت پہنچا مری رسوائی کا !

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی — ہے جو یہ شوق خود آرائی کا !

یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں! — گل و بلبل کی شناسائی کا !

گھر ابھی دور ہے رسوائی کا　　ہو گئے حالی سے بہت آوارہ

یعقوب علی۔ (جھوم کر) واہ وا۔ سبحان اللہ میاں۔ اس عمر میں یہ اشعار! ایسی آمد ایسی گہرائی۔ یہ تصوف!! تم ایک دن آسمانِ شاعری پر آفتاب بن کر چلوگے۔ (حالی سلام کرتے ہیں پردہ گر جاتا ہے)

دوسرا سین

(شیفتہ کا دیوان خانہ۔ ایرانی قالین کا فرش۔ وسط میں بڑا سا گاؤ تکیہ۔ چاندی کا پیچوان، اگالدان، خاصدان وغیرہ سلیقے سے رکھے ہیں۔ ایک طرف ایک الماری میں خوبصورت جلدوں کی کتابیں چنی ہیں۔ پردہ اٹھتا ہے تو حالی بیٹھے نو اور بارہ برس کے دو بچوں کو کچھ پڑھا رہے ہیں۔ بچے خوبصورت اور ذہین ہیں۔ کارچوبی ٹوپیاں اور مخمل کی صدریاں پہنے ہوئے ہیں۔ ذرا دیر بعد شیفتہ دیوان خانے میں داخل ہوتے ہیں۔ لٹھے کا غرارہ دار پاجامہ۔ باریک تنزیب کا چکن کڑھا کرتا پہنے ہوئے ہیں)

ایک بچہ۔ مولانا۔ ابا جانی تشریف لے آئے۔

دوسرا بچہ۔ مولانا اب ہماری چھٹی کا وقت آ گیا۔

حالی۔ (مسکرا کر) جی ہاں۔ اب آپ جا کر کھیل سکتے ہیں۔

بڑا بچہ۔ اجازت ہو تو ہم ابھی یہیں بیٹھیں۔ آپ کی اور ابا جانی کی باتیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔

حالی۔ ضرور۔

شیفتہ۔ کیوں میاں کیا ہے؟

حالی۔ (مسکراکر) یہ یہاں بیٹھ کر ہم لوگوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس بچے کو شعر و ادب سے فطری لگاؤ ہے (شیفتہ گاؤ تکیہ سے ٹیک لگاکر بیٹھ جاتے ہیں۔ بڑا بچہ ان کے زانو کے پاس ادب سے بیٹھتا ہے۔ چھوٹا باہر چلا جاتا ہے۔)

شیفتہ۔ خواجہ صاحب۔ مرزا نوشہ کا خط آیا ہے۔ آپ کی بڑی شکایت لکھی ہے۔

حالی۔ کیا کہوں نواب صاحب۔ میں کس قدر نادم ہوں۔ مذہبی جوش اور استاد کی محبت میں ان سے یہ گستاخی کر بیٹھا کر درخواست کی کہ آپ نماز پڑھا کیجیے اور شراب پینا ترک کر دیجیے۔ اس کے بعد لاکھ معذرت کی مگر مرزا صاحب کے دل سے میری اس نازیبا حرکت کا رنج اب تک نہیں گیا۔

شیفتہ۔ دراصل وہ آپ کا بڑا احترام اور محبت کرتے ہیں۔ اور یہ شکایت بھی بربنائے الفت ہے۔ ورنہ ان کے نام تو دن رات سب و شتم سے بھرے خط آیا کرتے ہیں اور وہ پروا نہیں کرتے۔

حالی۔ میں سخت نادم ہوں۔ اب آپ ہی میری سفارش کریں گے تو عفوِ تقصیر ہوگی۔

شیفتہ۔ (مسکراکر) لیجیے سنیے، یہ استاد نے جو قطعہ بھیجا ہے۔ اسے معذرت کہیے کہ شکایت کہیے یا دونوں کا حسین امتزاج۔

حالی۔ فرمائیے کیا لکھا ہے۔

شیفتہ۔ (خوش الحانی سے پڑھتے ہیں) ؎

توا ے کہ شیفتہ و حسرتی لقب داری ہمی بلطفِ تو خود را امید دار کنم!

چو حالی از من آشفتہ بے سبب نجد | تو گر شفیع نہ گردی بگو چہ کار کنم!
دو بارہ عمر دہندم اگر بفرض محال | بر آں سرم کہ دراں عمر ایں دو کار کنم
یکے ادائے عبادات عمر پیشینہ | دگر بہ پیشگاہ حالی اعتذار کنم!

(حالی سر جھکائے شرمندہ انداز میں بیٹھے ہیں، شیفتہ حقہ ان کی سنہال ان کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ حالی حقہ پیتے جاتے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ شیفتہ بچے سے آہستہ سے کچھ کہتے ہیں۔ وہ اُٹھ کر اندر چلا جاتا ہے۔)

حالی۔ نواب صاحب ایک قطعہ عرض کیا ہے۔ یہ مکمل ہو جائے تو مرزا غالب کی خدمت میں بھجوا دیجئے۔

شیفتہ۔ ہم بھی سنیں کیا کہا ہے۔

حالی۔ سماعت فرمایئے ؎

تو اے کہ عذر فرستادہ بہ سوئے رہی | سزد کہ جانِ گرامی بر آں نثار کنم
نماند قاعدۂ شکر بے ریا بہ جہاں | اساسِ دوستی از شکوہ استوار کنم
چو شکوہ جز بہ تقاضائے دوستی نبود | زغیر شکر و شکایت ز دوستدار کنم

شیفتہ۔ سبحان اللہ۔ بہت خوب کہا ہے۔ اسے مکمل کر لیجیے تو خود چل کر استاد کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ پرسوں میرا دلی جانے کا قصد ہے۔

حالی۔ یہ بہت مناسب رہے گا۔ آپ نے مرزا غالب کی وہ نئی غزل سنی جو میر صاحب دلی کے مشاعرے میں سُن کر آئے ہیں۔

کوئی اُمید بر نہیں آتی | کوئی صورت نظر نہیں آتی

شیفتہ۔ ہاں میں نے سنی۔ بڑی عمدہ غزل ہے۔ غالب کا رنگِ شاعری

اب بدل رہا ہے۔ مشکل پسندی چھوڑ کر اب وہ سہل زبان اور سادہ انداز بیان اختیار کرتے جاتے ہیں۔ یہی رنگ رہا تو ان کی شاعری عوام و خواص دونوں میں قبولیت حاصل کرے گی۔

حالی۔ نواب صاحب میرا تو یہ خیال ہے کہ غالب اُردو زبان کا بے مثال شاعر ہے اور ان کا کلام اُردو زبان کا بیش بہا خزانہ ہے جس کو زمانہ سر آنکھوں پر جگہ دے گا۔

شیفتہ۔ یقیناً۔ مگر اُسی کلام کو جو اس نئے رنگ میں ہے۔ ورنہ سے

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

کو معاف کیجئے گا کون سمجھے گا اور قدر کرے گا۔

حالی۔ لیکن نواب صاحب۔ بیدل کا رنگ ایک حلقے میں بہت مقبول ہے۔

شیفتہ۔ خواجہ صاحب۔ تخیل کی ایسی اُڑان جس سے شعر کا مطلب خبط ہو جائے میرے نزدیک شعر کی خوبی کو خاک میں ملا دیتی ہے اور ایسی صنعت گری جس میں آورد اور تصنع ہو وہ بھی شعر کا زیور نہیں اس لئے داغ ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ[1] شاعر کو مبالغے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا چاہیئے۔ شاعر کا منتہٰی کمال یہ ہے کہ سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسنِ بیان سے ایسا دل فریب اور دل نشین بنا دے کہ وہ سیدھی قاری کے دل میں جا کر بیٹھ جائے۔

ہمارے شعراء میں زبان پر جس طرح میر انیس کو قدرت حاصل ہے اور وہ

---

[1] از خود نوشت سوانح عمری مولانا حالی۔

جس کمال خوبی اور سادگی سے ایک شعر میں حسنِ بیان، سادگی، اثر اور معنی کی ایک دنیا پنہاں کر دیتے ہیں وہ کسی بھی اور شاعر کو نصیب نہیں۔
حالی۔ جی ہاں اس میں کیا شک ہے۔ انیس ہماری زبان کا بے مثال شاعر ہے۔ انھوں نے مرثیہ کے محدود میدان میں کیا کچھ کمال دکھائے ہیں۔ سیرت نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری وغیرہ میں ان کا درجہ اُردو زبان کیا دُنیا کی کسی بھی زبان کے شاعر سے کم نہیں ہو سکتا۔
شیفتہ۔ ان کے ایک مشہور مرثیہ کا پہلا مصرعہ سنئے۔ ؎
آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ انیس نے ناحق پورا مرثیہ لکھا۔ یہی ایک مصرعہ بجائے خود ایک مرثیہ کے برابر ہے۔
حالی۔ (جھوم کر) سبحان اللہ۔ واقعی انیس کا کمالِ فن اپنی جگہ لاجواب ہے مگر نواب صاحب انیس کا دور بھی ختم ہوا۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ ہماری پُرانے طرز کی یہ شاعری جس میں تصنع، آورد اور صنعت گری کے کمالات دکھائے جاتے ہیں، اب زیادہ دن مقبول نہیں رہ سکتی۔ زمانے کا رنگ بدل رہا ہے۔ نئی تہذیب و تعلیم پھیلتی جا رہی ہے۔ فارسی آمیز ادب و شاعری اب زیادہ دن تک چلتی نظر نہیں آتی۔
شیفتہ۔ ہاں بھئی زمانہ نئے نئے روپ بدل رہا ہے۔ ہمارا زمانہ تو اب ختم ہوا۔ اب آپ لوگوں کو دیکھنا اور سوچنا ہے۔ آپ کو خدا نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں ان سے کام لے کر آپ کو شعر و ادب کی اصلاح کا کام کرنا چاہیئے۔
حالی۔ میرے دل میں ایک کشمکش ہے۔ ایک ہیجان۔ ایک اُلجھن!

مسلمانوں کا کیا انجام ہوگا۔ اس قوم کی بدحالی اور پستی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ افلاس، جہالت، بے عملی، تنگ نظری اور تعصب کا شکار ہوتی جاتی ہے۔ اور کوئی راہ نظر نہیں آتی کہ کیسے اس کی اصلاح ہوگی۔

شیفتہ۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر غلامی کی آفت پہلی بار نازل ہوئی ہے۔ ذلت اور پستی کے احساس نے ان کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ فرنگی کے خلاف جو لوگ ہیں ان کو حکومت کچلنے پر تلی ہوئی ہے۔ یا پھر سید احمد کے سے خیالات کے لوگ ہیں جو دین و ایمان بیچ کر فرنگی کی غلامی کو مسلمان کے لئے راہِ نجات سمجھتے ہیں۔

حالی۔ میں نے سید احمد کے کچھ مضامین اور کتابیں دیکھی ہیں۔ میں پوری طرح تو ان کے خیالات سے متفق نہیں ہوں مگر نواب صاحب میرا خیال یہ ہے کہ یہ شخص بہت پر خلوص ہے اور مسلمانوں کا سچا دوست اور دلی ہمدرد۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا نظریہ غلط ہو مگر وہ سچے دل سے ان کا خیر خواہ ہے۔

شیفتہ۔ سید احمد خاں کو میں جانتا ہوں۔ ان کی قابلیت، خلوص اور لگن کی قدر کرتا ہوں۔ مگر انگریز سے ان کی وفاداری اور انگریزی تعلیم کی حمایت میری سمجھ میں نہیں آتی۔ قدامت پسند اور مذہبی خیالات کے لوگ تو ان کی پالیسی کو اپنا نہیں سکتے۔

حالی۔ میں سید احمد سے ملنا اور تبادلۂ خیالات کرنا چاہتا ہوں۔

شیفتہ۔ ضرور ملیئے۔ (حقہ کی منہال اٹھا لیتے ہیں پردہ گر جاتا ہے)

ل

راوی۔ حالی اور شیفتہ کا آٹھ سال ساتھ رہا۔ ۔ ۔ ۔ شیفتہ کا انتقا

ہوگیا اور حالی دلی چھوڑ کر لاہور پہنچے جہاں انھیں پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں انگریزی کتابوں کے اردو ترجمہ کی اصلاح کی خدمت سپرد کی گئی۔ ان ترجموں کے مطالعے سے حالی مغربی ادب سے روشناس ہوئے اور انھوں نے اس سے بہت کچھ حاصل کیا اور ان کو مشرقی ادب خصوصاً اپنی زبان کی تہی دستی اور کم مائیگی کا بڑا احساس ہوا اور اس کی ترقی اور اصلاح کی لگن دل میں اور زیادہ ہوگئی۔ لاہور کے قیام کی نثری تصانیف اور شعر دونوں میں یہ رنگ پہلے ہی سے جھلکتا ہے کیونکہ یہاں ان کی ملاقات محمد حسین آزاد سے ہوئی جو بھی شعر و ادب میں اصلاح کی فکر میں تھے۔ انھوں نے لاہور میں ۱۸۷۴ء میں[1] جدید طرز کے مشاعروں کی بنا ڈالی جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا تھا اور جس میں بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعروں کو دیا جاتا تھا کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جس طرح چاہیں ظاہر کریں۔" حالی نے دل سے اس تحریک کا خیر مقدم کیا۔ ان کی چار مشہور مثنویاں امید۔ برکھا رت۔ مناظرۂ رحم و انصاف اور حبِ وطن ان ہی مناظموں کے لئے کہی گئی تھیں۔ آیئے اس میں سے ایک میں آپ بھی شرکت کیجئے۔

---

[1] از خود نوشت سوانحِ حالی۔

تیسرا سین

(دن کا وقت ہے ایک پُرانے طرز کے کمرے میں چاندنی کے فرش کے اوپر کچھ قالین بچھے ہوئے ہیں۔ پیچھے گاؤ تکیے لگے ہیں۔ ہر قالین کے سامنے حقہ خاصدان اور اُگالدان رکھا ہے۔ صدر میں محمد حسین آزاد۔ ان کے دائیں ہاتھ حالی بیٹھے ہیں جس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہے۔ چند اور شعرا بھی اِدھر اُدھر قرینے سے بیٹھے ہیں۔ سامنے کچھ سامعین ہیں۔)

آزاد۔ صاحبو اب خواجہ الطاف حسین حالی آپ کو مثنوی حُبِ وطن سُنائیں گے۔

حالی۔ حضرات! وطن کی محبت ہر جاندار کے دل میں ہوتی ہے۔ چرند اور پرند ہی نہیں نباتات تک اس محبت میں گرفتار ہے۔ پھر انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اس کے دل میں تو وطن کی محبت کا جذبہ بہت گہرا بلند اور پائیدار ہے لیکن انسان اور دوسری مخلوقات میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسے خدا نے عقل کی دولت عطا کی ہے۔ احساس کی شدت اور اچھے بُرے کی پرکھ اور دردِ دل کی نعمت بخشی ہے وہ اپنے ایسی جی نشین سے

کام لے سکتا ہے اور اپنے بھائیوں کے دکھ درد کو سمجھ سکتا ہے۔ اور یہی حُبِ وطن کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ ان ہی خیالات کو میں نے نظم کیا ہے جس کے کچھ شعر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

شعرا۔ ارشاد۔ ارشاد۔

حالیؔ۔ سماعت فرمائیے۔ ؎

اے سپہرِ بریں کے سیّارو — اے فضائے زمیں کے گلزارو
اے پہاڑوں کی دل فریب فضا — اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
اے نسیمِ بہار کے جھونکو!! — دہرِ ناپائیدار کے دھوکو
تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز — تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز
جب وطن میں ہمارا تھا رمنا — تم سے دل باغ باغ تھا اپنا
پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار — جی ہوا تم سے خود بخود بیزار
کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں — تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں
گو وہی ہم ہیں اور وہی دنیا — پر نہیں ہم کو لطف دنیا کا

اے وطن اے مرے بہشت بریں — کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں
میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار — بلکہ دنیا ہے تیری عاشق زار
کیا زمانے کو تو عزیز نہیں — اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں
سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما — سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا
تیری اک مشتِ خاک کے بدلے — لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

جان جب تک نہ ہو بدن سے جدا
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جدا

اے دل اے بندۂ وطن ہوشیار
خوابِ غفلت سے ہو ذرا بیدار

نام ہے کیا اِسی کا حُبِّ وطن
جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن

کبھی بچّوں کا دھیان آتا ہے
کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے

یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی
تو کبھی اہلِ شہر کی ہے لگی

کیا وطن کی یہی محبت ہے؟
یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے

اس میں انساں سے کم نہیں ہیں درند
اس سے خالی نہیں چرند پرند

ٹکڑے ہوتے ہیں سنگ غربت میں
سوکھ جاتے ہیں روکھ فرقت میں

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد
نوعِ انساں کا جس کو سمجھیں فرد

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو
اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ
دل کو دُکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ

کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار
زندگی سے ہے جن کا دل بیزار

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر
ہے کوئی ان میں خشک اور کوئی تر

مقبلو مدبروں کو یاد کرو
خوش دلو غم زدوں کو یاد کرو

جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ
تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر

ہے مسلمان اس میں یا ہندو
بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو

سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو — سمجھو آنکھوں کی تپلیاں سب کو
ملک ہیں اتفاق سے آزاد — شہر ہیں اتفاق سے آباد
قوم جو اتفاق کھو بیٹھی — اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی
پاؤں اقبال کے اکھڑنے لگے — ملک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے

گر رہا چاہتے ہو عزت سے — بھائیوں کو نکالو ذلت سے
ان کی عزت تمہاری عزت ہے — ان کی ذلت تمہاری ذلت ہے
عزت قوم چاہتے ہو اگر !! — جا کے پھیلاؤ ان میں علم و ہنر
قوم کی عزت اب ہنر سے ہے — علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
کوئی دن میں وہ دور آئے گا — بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا
نہ رہیں گے سدا یہی دن رات — یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں سنتے قول حالی کا
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

(ہر طرف سے واہ واہ سبحان اللہ کا شور بلند ہوتا ہے۔ آزاد مشاعرہ ختم ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ لوگ اٹھ کر جانے لگتے ہیں۔ حالی اور آزاد ساتھ ساتھ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور دو قدم چل کر رک کر باتیں کرنے لگتے ہیں)

آزاد۔ خواجہ صاحب سنا ہے آپ دلی تشریف لے جا رہے ہیں دلی کالج میں

آپ کو بلایا جارہا ہے ؟
حالی۔ جی ہاں مولانا۔ یہاں میری صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی اور دل بھی نہیں لگتا ؎

رہے لاہور میں آکر سو جانے | یہی دنیا ہے جو دارالمحن ہے
یہاں بے گانگی ہے اس قدر عام | کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے

آزاد۔ سچ فرماتے ہیں خواجہ صاحب۔ دلی کا شیدائی کہیں بھی خوش نہیں رہ سکتا۔ ہائے استاد پہلے ہی فرما گئے تھے ؎

کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

حالی۔ مولانا۔ آب حیات کی تکمیل انشاء اللہ کب تک ہو جائے گی۔
آزاد۔ ابھی تو "دوسرا دور" ختم ہوا ہے۔ بشرطِ فرصت اس سال کے آخر تک مکمل کر لوں گا۔ خواجہ صاحب آپ کی کتاب مجالس النساء کو کرنل ہالرائیڈ نے جو انعام دلوایا ہے اس سے دلی مسرت ہوئی۔
حالی۔ یہ ان کی ذرہ نوازی ہے۔ اس کتاب کو لڑکیوں کے کورس میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔
آزاد۔ میں نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا۔
حالی۔ (دونوں دروازے کی طرف چلنا شروع کرتے ہیں) ایک کاپی آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔

چوتھا سین

(دلی میں حالی کے مکان کا مختصر مگر صاف ستھرا سلیقے سے آراستہ دیوان خانہ۔ فرش پر۔ وسط میں منشی کرم اللہ خاں بیٹھے ہیں۔ ان کے برابر حالی۔ سامنے حقہ رکھا ہے۔ باری باری دونوں پیتے رہتے ہیں اور باتیں کرتے رہتے ہیں)

کرم اللہ خاں۔ خواجہ صاحب۔ کچھ عرصے سے آپ کی کوئی تازہ غزل سُننے میں نہیں آئی۔

حالی۔ نجفے خاں صاحب میری تو اب یہ حالت ہے کہ[1] زمانہ کا ٹھاٹھ دیکھ کر پُرانی شاعری سے جی سیر ہو چکا ہے۔ جھوٹے ڈھکوسلے باندھنے سے شرم آنے لگی ہے۔ نہ یاروں کے ابھاروں سے دل بڑھتا ہے نہ ساقیوں کی ریس سے جوش آتا ہے ..... عزیز ذلیل ہو گئے۔ شریف خاک میں مل گئے۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ــــ دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ پیٹ کی چار طرف دہائی ہے۔ ..... تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر

---

[1] از دیباچہ مسدس حالی۔

چھائی ہے ......" ایسی حالت میں عشق و محبت کے فرضی ترانے الاپنا کسی سچے فن کار کے بس کی بات نہیں۔

کرم اللہ خاں۔ خواجہ صاحب عشق و محبت کے ترانے گانا ہی شاعر کا اصلی کام ہے۔ وہ غزل ہی کیا جس میں واردات قلب نہ ہو۔

حالی۔ ہاں ننھے خاں صاحب ہاماہی اگرچہ "ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی اس پر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب یہ سودا اچھلا آنکھیں بند کیں اور اسی شارع عام پر پڑلیے جس پر راہ گیروں کا تانتا بندھا ہوا تھا ...... مگر یہ شاعری دل سے نکلی ہوئی نہ تھی۔ اس لئے کہ "باغ جوانی کی بہار اگرچہ قابلِ دید تھی مگر دنیا کے مکروہات سے دم لینے کی فرصت نہ ملی۔ نہ خود آرائی کا خیال آیا اور نہ عشق دیوانی کی ہوا لگی، نہ وصل کی لذت اٹھائی نہ فراق کا مزا چکھا۔ سے

پنہاں تھا دامِ سخت قریب آشیانہ کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

البتہ شاعری کی بدولت چند روز جھوٹا عاشق بننا پڑا۔ ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشتِ جنوں کی وہ خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا ....." لیکن اب یہ سودا سر سے نکل چکا ہے۔ چبائے ہوئے نوالے چبانے سے طبیعت سیر ہو چکی ہے۔

کرم اللہ۔ آپ نے آج تک جتنی غزلیں کہی ہیں وہ ہماری شاعری کے لئے سرمایۂ ناز

له دیباچہ دیوانِ حالی

ہیں۔ آپ کا غزل سے بد دل ہونا اس کے حق میں فال نیک نہیں۔
حالی۔ مجھے تو آج اپنا سارا سرمایہ شعر نکما نظر آتا ہے [1] بیس برس کی عمر سے چالیسویں سال تک تیلی کے بیل کی طرح ایک ہی چکر میں پھرتے رہے اور اپنے نزدیک سارا جہاں طے کر چکے۔ مگر اب جو آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں ــــ"
کرم اللہ۔ (حقہ کا منہال اپنے ہاتھ سے حالی کو دیتے ہوئے) لیکن آپنے کئی معرکہ آرا مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ خصوصاً بیوہ کی مناجات آپ کی زندہ جاوید نظم ہے جس کا جواب ہندوستان کی کسی زبان کی شاعری میں نہیں مل سکتا ہے۔ پھر غالب کا مرثیہ ایسا شہ پارہ ہے جو اُردو ادب میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ پھر بھی آپ کو اپنا سرمایہ شاعری نکما نظر آتا ہے۔ خواجہ صاحب شاعر کے لئے مایوس ہونا اس کے فن کی موت ہے۔
حالی۔ آپ بجا فرماتے ہیں۔ لاکھ دل کو سمجھتا ہوں مگر جب" نگاہ اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو دائیں بائیں آگے پیچھے ایک میدانِ وسیع نظر آتا ہے جس میں بے شمار راہیں ہر طرف کھلی ہیں۔ کبھی کبھی جی میں آتا ہے قدم آگے بڑھاتا ہوں کہ اس میدان کی سیر کر دوں۔ مگر جو قدم بیس برس سے ایک چال سے دوسری چال نہ چلے ہوں اور جن کی دوڑ گز دو گز زمین تک محدود رہی ہو، ان سے (اس) وسیع میدان میں کام لینا آسان نہیں۔
کرم اللہ۔ مگر میں نے تو کسی سے سنا تھا کہ آپ سید احمد کے ایما سے آجکل

---

[1] از دیباچہ مسدس حالی

ایک نئی نظم مسدس مد وجزرِ اسلام کے نام سے تحریر کر رہے ہیں مجھے تو یقین نہیں آیا کہ سید احمد خاں سے آپ اتنے متاثر ہو گئے۔ آپ جیسا مذہبی آدمی اور ایک نیچری کا معتقد ہو جائے۔ (حقہ پینے لگتے ہیں)

حالی۔ (مسکرا کر) ہاں نیفتے خاں صاحب ؏

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں　　　دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

دنیا نے ابھی اس مردِ مجاہد کو نہیں سمجھا۔ اس کے دل میں قوم کا سچا درد اور اسلام کی گہری محبت پنہاں ہے۔ اس پیر مرد کی چتون میں غضب کا جادو بھرا ہے کہ جس طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتا ہے وہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اس کی ایک جادو بھری نگاہ اِدھر بھی پڑی اور اپنا کام کر گئی۔ اور بیس برس کا تھکا ماندہ خستہ و کوفتہ اب اس کے ساتھ اُسی دشوار گزار رستہ پر پڑ لیا ہے جو اس نے اختیار کیا ہے۔ یعنی قوم کی ترقی اور اصلاح کا کٹھن کام۔

کرم اللہ۔ تو کیا میں سمجھوں کہ خدانخواستہ آپ بھی نیچری ہو گئے ہیں۔ (کش لے کر) اوہ یہ حقہ تو بالکل جل گیا۔

حالی۔ (آواز ذرا بلند کر کے) نانوں خاں۔ نانوں خاں۔ ذرا حقہ تازہ کر لانا۔ اور چائے بھی بنا لاؤ۔ (نانوں خاں آکر حقہ لے جاتا ہے)

حالی۔ اگر قوم کا درد دل میں رکھنا اور اس کی خدمت کرنا نیچری ہونے کے مرادف ہے تو بے شک میں بھی نیچری ہوں۔ میرا یہ ارادہ ہے۔ خدا راس لائے۔ کہ بقیہ عمر سید احمد خاں کے مسلک پر چل کر اپنی قوم اور ملک

کی جو بھی خدمت ہو سکے گی انجام دوں گا۔ یہی راستہ ہے جو شاید مجھے اس ذہنی کشمکش سے نجات دلائے جس میں میں بیس برس سے مبتلا ہوں۔

(نانوں خاں حقہ لاکر رکھتا ہے اور پھر ایک کشتی میں چائے لاتا ہے۔ وہ سردی سے شوشو کر رہا ہے۔)

حالی۔ نانوں خاں بھئی ذرا ڈبیا جلا لاؤ۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔

(نانوں خاں چلا جاتا ہے)

حالی۔ بیٹھئے خاں صاحب۔ سید احمد خاں کی فرمائش ہے کہ قوم کو جگانے کے لئے نظم کو کام میں لاؤں جو بالطبع سب کو مرغوب ہے۔ لیکن ابھی تک اس سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ ان کے ایما پر میں نے اس کی بنا تو ڈال دی ہے خدا اس کارِ عظیم کو انجام کرا دے۔

کرم اللہ خاں۔ ہمیں بھی اس کے کچھ شعر عنایت ہوں تو بہت ممنون ہو۔

حالی۔ بہت خوب۔ دو بند سنیئے ؎

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے — بھنور میں جہاز آ کے جس کا پڑا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے — گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

(نانوں خاں تیل کی ڈبیا جلا کر لاتا اور ایک اسٹول پر رکھ دیتا ہے۔ حالی اس کی طرف دیکھتے ہیں)

حالی۔ ارے نانوں خاں۔ اب کے کوئی کپڑا نہیں بنوایا؟ سردی کھاتے

پھر رہے ہو؟

نالوں خاں ۔ اجی مولبی صاحب ۔ گرم کپڑا کہاں سے بنواؤں پیٹ کا پورا کرنے ہی سے فرصت نہیں ملتی ۔

حالی ۔ ہوں ۔ ہوں (اپنی مرزئی اتار کر اسے دیتے ہیں) اچھا لو ۔ اس وقت یہ پہن لو ۔

نالوں خاں ۔ (حیرت سے) اجی نہیں مولبی صاحب ۔ یہ کیا کرتے ہو ۔ ابھی تو بن کر آئی ہے ۔ مجھے پرانی والی دے دینا ۔

حالی ۔ نہیں ۔ وہ ہم خود پہن لیں گے ۔ یہ تم پہن لو ۔ (خود اس کو مرزئی پہناتے ہیں) جاؤ اب چائے بنا لاؤ خاں صاحب کب سے انتظار کر رہے ہیں ۔ (نالوں خاں دعائیں دیتا ہوا جاتا ہے)

کرم اللہ خاں ۔ ہاں خواجہ صاحب کوئی اور بند ارشاد فرمایئے ۔

حالی ۔ ؎ گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے چپ و راست سے یہ صدا آرہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے ہم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے ہم

کرم اللہ ۔ (آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے) آہ ۔ کیا درد و اثر میں ڈوبے ہوئے اشعار ہیں ۔ اس بدنصیب قوم کی واقعی یہی حالت ہے ۔

(باہر سے رونے کی آوازیں آتی ہیں)

حالی۔ ار ے۔ کیا ہوا۔ (نانوں خاں روتا ہوا اندر آتا ہے۔)
کیوں بھئی نانوں خاں خیر تو ہے۔ بچہ کیسا ہے؟
نانوں خاں۔ میاں ہم تو بس اب مر لئے۔ مر گئے ہم۔ ہائے جوانی
کی بہار بھی نہ دیکھی۔
کرم اللہ۔ (مسکرا کر) عجب گھامڑ آدمی ہو۔ اپنے لئے خود بین کر
رہے ہو۔ آخر ہوا کیا۔
نانوں۔ اجی وہ کمبخت مٹی کے تیل کی ڈبیا کسی نے رکابی میں رکھ دی
ہو گی۔ وہ پکے تھی کمبخت۔ میں کیا جانوں۔ میں سمجھا تازہ پگھلا ہوا
گھی رکھا ہے۔ (رو کر) اجی وہ میں نے اٹھا کر۔ پی لیا۔ (تھو تھو کر کے)
اُنوہ۔ کیسی بُری بُو آئی ہے۔ (رو کر) ہائے اب میں مر جاؤں گا۔
پیٹ میں بڑا سخت درد ہو رہا ہے (لمبا لمبا لیٹ جاتا ہے) ہائے
جوانی کی بہار نہ دیکھی۔
(حالی گھبرا کر اس کے پاس جاتے۔ تکیہ اس کے سر کے نیچے رکھتے ہیں
اور تسلی دیتے ہیں)
حالی۔ نانوں خاں گھبراؤ نہیں۔ خانصاحب آپ ذرا باہر دوسرے
ملازم سے کہدیجئے کہ نکڑ پر جو حکیم صاحب کا مطب ہے وہاں جائے
اور اُن سے حال کہہ کر نانوں خاں کے لئے دوا لے آئے۔ معلوم نہیں
مٹی کے تیل کی کیا خاصیت ہے۔ (بٹوے میں سے الائچی نکال کر) لو
نانوں خاں تم یہ الائچیاں کھاؤ اور گھبراؤ نہیں (کرم اللہ خاں باہر

جاتے ہیں۔ ذرا دیر میں واپس آتے ہیں)
کریم اللہ۔ خواجہ صاحب آدمی کو میں نے حکیم صاحب کے پاس بھیجدیا ہے۔ اور باہر نواب صاحب لوہارو کا ملازم کھڑا ہے۔ نواب صاحب نے کہلوایا ہے کہ سب لوگ آگئے، صرف ہم دونوں کا انتظار ہے۔
حالی۔ (سوچ میں پڑ گئے) اس وقت نواب صاحب کے ہاں دعوت میں جانا تھا مگر اب کیسے جا سکتا ہوں۔ نانوں خاں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔
نانوں خاں۔ (کراہ کر) اجی میاں! میری کھاتر تم نواب صاحب کی دعوت نہ چھوڑ و۔ چلے جاؤ مرنا ہوگا تو مرجاؤں گا۔
حالی۔ نہیں بھئی نخیں اس حال میں چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا ہوں۔ نبھے خاں صاحب آپ براہِ مہربانی میری طرف سے نواب صاحب سے معذرت کر دیجئے گا کہ میں بوجہ نانوں خاں کی تیمارداری میں مصروف ہونے کے حاضر نہ ہو سکا۔
کریم اللہ۔ بہت خوب۔ اگرچہ میرا یہ خیال ہے کہ یہ حضرت دس بیس منٹ میں ٹھیک ہو جائیں گے۔ خواہ مخواہ اس نے آپ کو گھبرا دیا ہے۔ اچھا سلام علیکم۔
حالی۔ وعلیکم السلام (اُٹھ کر دروازے تک ساتھ جاتے ہیں۔ پھر پلٹ کر نانوں خاں کے پاس آکر اس پر جھکتے ہیں۔ پردہ گرجاتا ہے)

پانچواں سین

(وہی دیوان خانہ جس میں اس وقت دو تین کرسیاں بھی رکھی ہیں۔ ایک پر سرسیّد اپنے مخصوص لباس، ترکی ٹوپی تمغوں سے لدا ہوا کوٹ اور لمبی چوڑی داڑھی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ دوسری کرسی پر حالی ہیں۔ گول کالی ٹوپی، بند گلے کا کوٹ، سفید پاجامہ۔ تیسری پر نوجوان سیّد محمود سوٹ پہنے ہوئے بیٹھے ہیں۔ حقہ کا دَور چل رہا ہے۔)

حالی۔ سیّد صاحب خدا کی مہربانی اور آپ کی حوصلہ افزائی کی بدولت مسدّس مدوجزر اسلام مکمل تو ہوگئی مگر مجھے اندیشہ ہے کہ "ہمارے ملک کے اہلِ مذاق اس روکھی پھیکی سیدھی سادی نظم کو پسند نہ کریں گے ... جس میں نہ کہیں نازک خیالی ہے نہ رنگین بیانی، نہ مبالغے کی چاٹ ہے نہ تکلف کی چاشنی ــ گویا اہلِ دہلی اور اہلِ لکھنؤ کی دعوت میں ایسا دستر خوان چنا گیا ہے جس میں ابالی کھچڑی اور بے مرچ سالن کے سوا کچھ نہیں۔ مگر اس نظم کی ترتیب واہ واہ سننے اور مزے لینے کے لئے نہیں کی گئی ہے ــ بلکہ یہ عزیزوں اور دوستوں کو غیرت و شرم دلانے کے لئے ہے کہ وہ دیکھیں کہ پہلے وہ کیا تھے اور آج کیا ہو گئے ہیں۔

سر سید ۔ خواجہ صاحب نظم لاثانی ہے ۔ اور انشاء اللہ ساری قوم میں نہ صرف مقبول ہوگی بلکہ وہ کارِ نمایاں انجام دے گی جس کی خاطر لکھی گئی ہے میرے تو یہ "جس[1] وقت سے ہاتھ میں آئی جب تک ختم نہ ہولی ہاتھ سے نہ چھوٹی ۔ اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہوگئی ۔ اگر اس مسدس کی بدولت فنِ شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جائے تو بالکل بجا ہے ۔ کس صفائی خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے کہ بیان سے باہر ہے ۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغے، جھوٹ، تشبیہات دور از کار سے جو مایہ شعر و شاعری ہے، بالکل مبرا ہے کیوں اس خوبی اور خوش بیانی سے موثر طور پر ادا ہوا ہے ۔ متعدد بند ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جا سکتے ۔ حق تو یہ ہے کہ جو بات دل سے نکلتی ہے ۔ دل میں بیٹھتی ہے "۔

حالی ۔ (انکسار سے) سید صاحب یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے ۔ آپ ہی کی تحریک پر یہ نظم لکھی گئی ہے ۔ اگر قوم اس کی بدولت خواب غفلت سے ذرا سا چونک اُٹھے تو اس کا بھی آپ ہی کے اعمالِ حسنہ میں شمار ہوگا ۔

سر سید ۔ "[1] بے شک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو اپنے ان اعمالِ حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا لایا تو میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں "

حالی ۔ میرا ارادہ ہے کہ مسدس کا حقِ تصنیف مدرستہ العلوم علی گڑھ کے نام رجسٹری کرا دیا جائے تاکہ اس کی آمدنی ہمیشہ مدرسہ کو ملتی رہے ۔

---

[1] سر سید کے ایک خط کے اقتباسات

سرسیّد ۔ میں آپ کے اس خیال سے متفق نہیں ۔ یہ عظیم نظم کسی شخص یا کسی ادارے کی ملکیت نہیں بلکہ پوری قوم کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ "میں نہیں چاہتا کہ اس مسدس کو جو قوم کے حال کا آئینہ یا ان کے ماضی کا مرثیہ ہے، کسی قید میں مقید کیا جائے ۔ جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو مناسب ہے۔ لڑکے ڈنڈوں پر گاتے پھریں اور رنڈیاں محفلوں میں طبلہ و سارنگی پر گا دیں ۔ حال لانے والے اس سچے حال پر حال لا دیں اسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہوگی ۔"[1]

حالی ۔ بہت خوب ۔ جیسی آپ کی رائے ہو ۔ (وقفہ کے بعد) سُنا ہے آپ رمضان میں شملے تشریف لے جا رہے ہیں ۔

سرسیّد ۔ جی ہاں قصد تو ہے ۔ آپ بھی تشریف لائیے نا ؟

حالی ۔ بشرطِ فرصت و حیات حاضر ہونے کی کوشش کروں گا ۔

سرسیّد ۔ شملے اس سے بڑھ کر نعمت میرے لئے نہ ہوگی کہ چند روز آپ کی صحبت رہے ۔ میرا رمضان سچ مچ عید ہو جائے گا ۔ آپ بلا تامل تشریف لائیے گا ۔ مکان دل آنکھیں سب حاضر ہیں آپ کے لئے ۔

(سیّد محمود جو اس عرصے میں مسدس حالی کو بڑے غور سے پڑھ رہے تھے سر اُٹھاتے ہیں ۔ اسی وقت چھ سات سال کا ایک تندرست اور خوبصورت بچہ اندر آتا ہے ۔)

سیّد محمود ۔ ابا جانی ۔ سبحان اللہ مولانا کی یہ بے مثال نظم اردو زبان میں

---

[1] سرسیّد کے ایک خط کے اقتباسات

اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ یہ مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان تو ہے مگر ساتھ ہی حالی کی عظیم شخصیت پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ ابا جانی "اگر خدا کبھی مجھ سے یہ سوال کرے کہ میرے جتنے بندوں سے تو ملا ہے ان میں سے کون ہے جس کی پرستش کے لئے تیرا دل تیار ہو جائے تو میرے پاس جواب حاضر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص الطاف حسین حالی ہے۔"[1] (حالی انکسار کے ساتھ سر جھکا لیتے ہیں)

سید محمود۔ راس مسعود۔ آ ۔ ادھر آ ۔ جا الطاف حسین صاحب کے پاس جا۔

(بچہ حالی کے پاس جاتا اور سلام کرتا ہے۔ وہ اسے سینے سے لگا کر پیار کرتے ہیں اور اپنی گود میں بٹھا لیتے ہیں)

سر سید۔ مسعود نے چند بند مسدس کے یاد کر لئے ہیں اور بڑی شان سے انھیں پڑھتا ہے۔

حالی۔ میاں صاحبزادے۔ ہمیں بھی تو سنائیے۔

سید محمود۔ ہاں مسعود انھیں سناؤ۔ وہ مسدس انھیں کا لکھا ہوا ہے۔

(بچہ کھڑا ہو کر بڑی شان سے پڑھتا ہے)

راس مسعود۔ عرض کیا ہے۔

حالی۔ (مسکرا کر) ارشاد ارشاد۔

راس مسعود۔ ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا!

---

[1] اقتباس از مضمون سید راس مسعود

مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا　　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

(تینوں سر جھکائے احترام کے ساتھ سُن رہے ہیں حالی اور سرسید کی آنکھوں میں آنسو ہیں بچہ دوسرا بند شروع کرتا ہے ؎

خطا کار سے درگزر کرنے والا　　　بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

اس کے ساتھ پردہ گرجاتا ہے۔

تیسرا ایکٹ

راوی۔ (اب حالی سرسید کے دست راست اور علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کے بہت بڑے حامی بن گئے وہ شہروں شہروں جاکر چندہ کرتے۔ جلسوں میں پرجوش نظمیں کہہ کر پڑھتے۔ رسالوں میں مضامین لکھتے اور ہر طرح سے مسلمانوں کو اکساتے کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور قدامت پرستی کو چھوڑ کر مغربی علوم کو اپنائیں۔ اور ساتھ ہی وہ شعر و ادب میں اصلاح کا کام کرتے رہے۔ انھوں نے مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر جدید تنقید کی ابتدا کی اور پرانے طرز کی نقالی کی شاعری کو خوب خوب لتاڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کٹر قسم کا مذہبی طبقہ اور قدامت پرست لوگ دوسری طرف پرانی طرز کے شاعر ان کے سخت مخالف ہو گئے لیکن حالی مخالفت کے طوفانوں کا صبر اور خاموشی سے مقابلہ کرتے رہے اور جس کام کو حق سمجھتے تھے اسے جاری رکھا۔

مگر حالی کا دل پوری طرح اب بھی مطمئن نہ تھا۔ ایک کسک، ایک چبھن ایک الجھن اب بھی دل میں رہتی تھی۔ قوم اور ملک کی اس قدر بدحالی کا آخر کیا سبب ہے؟ کیا قدامت پرستی اور جہالت اس کی واحد وجہ ہے یا کچھ اور بات بھی ہے جو اسے روز بروز اور زیادہ گراتی جا رہی ہے۔ ملک میں نااتفاقی اور تعصب کی گرم بازاری ہے! کیوں ہے؟ یہ سوال تھے جو ان کے دل میں اٹھتے تھے۔ اور ملک کی سیاسی صورت حال کا ایک دھندلا سا

خاکہ ان کے ذہن میں آنے لگا تھا۔

بارہ سال تک وہ دلی کالج میں مدرس رہے۔ لیکن ملازمت سے طبیعت کو قدرتی طور پر مناسبت نہ تھی۔ وہ علم و ادب کی خدمت کے لئے پیدا ہوئے تھے اور ان کے دل کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ سکون سے یہ مقدس فریضہ انجام دیتے رہیں۔ چنانچہ جب سرسید کی تحریک پر ریاست حیدرآباد سے ان کا ساٹھ روپے کا علمی وظیفہ مقرر ہو گیا تو انھوں نے ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دلی بھی اب وہ پرانی دلی نہ رہی تھی۔ ان کے یار و آشنا ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے تھے اور اس کی حالت دیکھ کر ان کے دل پر چرکے لگتے تھے...)

پہلا سین

(دلّی میں لالہ بہاری لال کا دیوان خانہ پُرانے زمانے کے ہندو شرفا کے دستور کے مطابق آراستہ ہے۔ لالہ صاحب بیٹھے کسی شخص سے باتیں کر رہے ہیں۔ حالی اور بیدل داخل ہوتے ہیں۔ لالہ بہاری لال اٹھ کر پیشوائی کرتے اور لاکر بٹھلاتے ہیں)

بہاری لال۔ بھئی خواجہ صاحب خوب آئے۔ میں تو خود آپ کے پاس جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ بیدل صاحب آج ہم اور آپ خواجہ صاحب سے دل کھول کر لڑیں گے۔

حالی۔ (مسکرا کر) میرا قصور؟

بہاری لال۔ سنا ہے کہ آپ دلی چھوڑ رہے ہیں۔

حالی۔ (حقیقت کی آہ بھر کر) ہاں بھائی صاحب۔ اب دلّی میں دل نہیں لگتا۔

بیدل۔ تم نے دلّی چھوڑ دی تو اس کی رہی سہی بہار بھی چلی جائے گی۔

حالی۔ آپ جانتے ہیں دلی مجھے پانی پت سے بڑھ کر عزیز ہے۔ مگر وطن میں بال بچے عزیز اقارب گھر بار کی ذمہ داریاں ہیں۔ ماشاء اللہ

بڑا کنبہ ہے اور سبھی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ پھر زندگی کے بقیہ چند سالوں میں سکون سے کچھ ادبی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

بہاری لال۔ ادبی خدمت کیا دلّی میں نہیں ہو سکتی بھائی۔ دلّی جو تمہیں اتنی پیاری ہے کس دل سے اُسے چھوڑو گے؟

حالی۔ (آہ بھر کر) ؎

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ   نہ سُنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

بیدل۔ ہائے ہائے — کیا شعر کہہ دیا ہے۔

لالہ صاحب۔ اس کے چند شعر اور سنائیے خواجہ صاحب۔

حالی۔ دل کے پھپھولے ہیں شعر کیا ہیں سنیئے۔ ؎

صحبتیں اگلی مصوّر ہمیں یاد آئیں گی   کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلّی   ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
غالبؔ و شیفتہ و نیّر و آزردہ و ذوق   اب دکھلائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز
لے کے داغ آئے گا سو اپنے جگر پہ سیاح   دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
رات آخر نہیں اور بزم ہوئی زیر و زبر   اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانہ ہرگز

(بیدل و بہاری لال اس قدر متاثر ہیں کہ داد تک دینے کا ہوش نہیں آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں)

حالی۔ ؎ بزمِ ماتم تو نہیں بزمِ سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

(تینوں آنسو پونچھتے ہیں)

بہاری لال ۔ بھائی صاحب شعر نہیں جگر کے ٹکڑے ہیں ۔ ہائے ۔ سے
اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانا ہرگز

بیدل ۔ دلی مرحوم کی حالت کا کیا صحیح نقشہ کھینچا ہے آپ نے ۔

بہاری لال ۔ ارے بھائی دلی کیا سارے ملک پر ویرانی و تباہی کی یہی حالت ہے ۔ کوئی مانے یا نہ مانے میں تو اِسے فرنگی کے منحوس قدم کا نتیجہ سمجھتا ہوں ۔ بڑوں بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں کہ حاکم کی نیت بد ہو تو ملک پر مصیبت کے بادل چھائے رہتے ہیں ۔

بیدل ۔ اجی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ۔ فرنگی نے آکر ہمیں بہت سی مصیبتوں سے چھٹکارا بھی تو دلایا ہے ۔ کیوں خواجہ صاحب کیا میں غلط کہتا ہوں ۔ آپ نے بھی تو انگریزی حکومت کے برکات ایک نظم میں بیان کئے ہیں ۔

لالہ بہاری لال ۔ (مسکرا کر) خواجہ صاحب بھئی سرسید کی پارٹی کے آدمی ۔ اور سرسید فرنگی کو ہندوستان کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں ۔

حالی ۔ لالہ صاحب ۔ آپ ایک رخی تصویر دیکھتے ہیں ۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان کی حالت قابلِ اطمینان نہیں ۔ بے چینی، افلاس، ابتری بڑھ رہی ہے ۔ مگر یہ آپ بھی مانیں گے کہ ملکہ معظمہ کی حکومت سے پہلے سارا دیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بکھرا ہوا تھا ۔ بدامنی، لوٹ مار، ٹھگی اور ڈکیتیوں کا زور تھا ۔ مذموم رسموں کا شکار تھا ۔ ملکہ معظمہ کی حکومت نے ملک میں پھر ایک بار امن چین پیدا کیا ہے اور خراب رسموں کا انسداد کیا ہے ۔

بیدل ۔ خواجہ صاحب نے ملکہ معظمہ کے قصیدے میں ان کی حکومت کے برکات بڑی خوبی سے گنائے ہیں ۔

بہاری لال ۔ بھئی کیا ہیں وہ برکات ۔ ہم بھی تو سُنیں ۔

حالی ۔ مجھے یاد نہیں وہ شعر ۔

بیدل ۔ مجھے کچھ شعر یاد ہیں ۔ سنیئے ۔ ؎

اس عہد نے وہ خون بھرے ہاتھ کئے قطع
جو پھیرتے تھے بیٹیوں کے حلق پہ خنجر

اس عہد نے کی آ کے غلاموں کی حمایت
انساں کو نہ سمجھا کسی انسان سے بدتر

دی اس نے مٹا ہند سے یوں رسم ستی کی
گویا وہ ستی ہو گئی خود عہد کہن پر

نابود کیا اس نے زمانہ سے ٹھگی کو !
اک قہر تھا اللہ کا جو نوعِ بشر پر

اور صاحب اس کے علاوہ ریل، ڈاک، تار کیسی کیسی ایجادیں ساتھ لائے ہیں جن سے زندگی میں آسانیاں اور آرام پیدا ہو گئے ہیں ۔

حالی ۔ یہ تو آپ کو ماننا پڑے گا فرنگی حکومت نے کچھ مذموم رسمیں مٹائی ہیں، اور ملک میں وحدت پیدا کی ہے ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس حکومت کے ساتھ بعض ایسی خرابیاں بھی آئی ہیں جو ہمارے ملک کے لئے فالِ بد ہیں میرے نزدیک اس میں سب سے زیادہ خوفناک

ایک تو ہندو مسلم نفاق ہے اور دوسرے بدیسی حکومت کی تجارتی پالیسی جس کی وجہ سے ہمارے دیس کی ساری دولت انگلینڈ میں کھنچی چلی جا رہی ہے۔

بیدل ۔ ہندو مسلم منافرت کی ذمہ داری حکومت پر کیوں ہے! خود ہمارے تعصب اور تنگ نظری پر نہیں ہے

حالی ۔ نہیں بھائی ۔ آخر آٹھ نو سو سال سے ہندو مسلمان اتفاق اور محبت سے رہتے آئے تھے ۔ کوئی تو بات ہے کہ اب روز بروز ان کی مخالفت و نفرت بڑھتی جا رہی ہے ۔ کہیں باجا بجانے پر کشت و خون ہے کہیں بقر عید پر خون ریزی ہو رہی ہے ۔ علم تعزیوں پر ہنگامہ ہے ۔ رام لیلا پر فساد ہے ۔ یہی تہوار تھے جو پہلے سب مل کر مناتے تھے ۔ آج دوسرے کو بھی مناتے نہیں دیکھ سکتے ۔

لالہ بہاری لال ۔ سبحان اللہ ۔ کیا صحیح بات فرمائی ہے خواجہ صاحب ۔ میرا اپنا بھی یہی خیال ہے ۔ معاف کیجئے گا مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ آپ فرنگی کے بڑے وفادار ہیں مگر اب پتہ چلا کہ آپ کی نظر تو بڑی باریک بین ہے جو مسائل کو اپنے اصل رنگ میں دیکھ سکتی ہے ۔

بیدل ۔ اچھا بھئی تو ہمیں اب اجازت دیجئے ۔

حالی ۔ ٹھیریئے میں بھی چلتا ہوں ۔

لالہ بہاری لال ۔ بیدل صاحب کچھ ناراض ہو گئے ۔ ؟

بیدل ۔ (مسکرا کر) نہیں بھائی صاحب ۔ ناراضگی کی کیا بات ہے ۔ یہ وقت ذرا میری چہل قدمی کا ہے ۔

بہاری لال۔ تو چلئے میں بھی ساتھ چلتا ہوں ۔ ذرا چہل قدمی ہو جائے گی ۔

حالی ۔ (اُٹھتے ہوئے) آیئے ۔ (تینوں کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ پردہ گر جاتا ہے)

دوسرا سین

حالی کا پانی پت کا گھر۔

(ایک بڑا سا ہوادار کمرہ۔ وسط میں بڑا سا تخت بچھا ہے جس
پر پانی پت کی بنی ہوئی دوسوتی کا فرش ہے اور سفید گاؤ تکیہ رکھا ہوا
ہے۔ تخت کے پاس ایک کھڑکی ہے۔ دو تین سرکنڈوں کے مونڈھے
اور دو آرام کرسیاں قرینے سے رکھی ہیں اور بیچ میں بڑی سی گول میز ہے
جس پر چھپا ہوا میز پوش پڑا ہے۔ چائے کے برتن ایک لکڑی کی کشتی میں
رکھے ہوئے ہیں۔ پردہ اٹھتا ہے تو حالی تخت پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔
عمر ۵۵ ـ ۶۰ کے درمیان ہے۔ داڑھی مونچھ سفید ہو چکی ہے۔ لباس
بند گلے کا لمبا سا کوٹ۔ گول سیاہ ٹوپی اور سفید پاجامہ ہے۔ گلے میں اونی
مفلر لپٹا ہوا ہے۔ وہ گاؤ سے ذرا سی ٹیک لگائے کھڑکی کے پاس بیٹھے
کچھ لکھ رہے ہیں۔ ذرا دیر میں دروازے سے ایک ادھیڑ عمر کا ملازم
اندر آتا ہے۔ ایک ٹانگ میں لنگ ہے۔ لکڑی کے سہارے چلتا ہے۔
ایک ہاتھ میں بھی کچھ نقص ہے۔ چہرے سے بیزاری، غصہ اور بدمزاجی برستی

ہے۔ آکر چائے دان کا ڈھکن اُٹھاتا ہے۔ منہ بناتا ہے اور چیخ کر کہتا ہے "چائے اب تک نہیں پی۔ ٹھنڈی ہو جاوے گی۔"

حالی۔ (نظر اُٹھا کر ملائمت سے) شکر تو لاؤ۔

عطا اللہ۔ (کان پہ ہاتھ رکھ کر) کیا کہا؟

حالی۔ (زور سے) شکر لاؤ۔

عطا اللہ۔ (بڑبڑا کر) شکر لاؤ۔۔ شکر لاؤ۔۔ نہیں ہے شکر۔

حالی۔ (جیب سے پیسے نکالتے ہوئے) تو جاؤ بازار سے لے آؤ۔ اور بسکٹ دیتے جاؤ۔

عطا اللہ۔ (چیخ کر) بسکٹ بھی ختم ہو گئے۔

حالی۔ (آہستہ سے) ختم ہو گئے!! (زور سے) تو خیر اور لے آؤ۔

(عطا اللہ جاتا ہے۔ خواجہ سجاد حسین کمرے میں داخل ہوتے ہوتے ہیں۔ علی گڑھ کاٹ کا سفید پاجامہ دھاری دار اور قمیص پہنے ہیں۔ سر پر ترکی ٹوپی ہے۔ حالی سے ملتی ہوئی صورت۔ چھوٹی سی داڑھی۔ عمر ۲۵۔ ۳۰ کے درمیان۔ ادب سے سلام کرکے باپ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔)

سجاد حسین۔ بابا۔ اب تو آپ کا لڑکیوں کا اسکول بہت اچھا چل رہا ہے۔ مشتاق نے بہت ترقی کی ہے۔

حالی۔ ہاں خدا کی مہربانی اور تمہاری کوشش کی بدولت اسکول خاص ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت بیس بائیس لڑکیاں پڑھنے آتی ہیں۔ مگر اسکول کا وقت کچھ ٹھیک نہیں" ممکن ہو تو چھ سات بجے سے بارہ بجے تک کا وقت مناسب ہے۔[1]

---

[1] از مکتوبات حالی۔

کیونکہ بڑی لڑکیاں جو گھر کا کام کرتی ہیں ان کا بڑا ہرج ہوتا ہے۔"
سجاد حسین۔ مناسب ہے۔ پہلی تاریخ سے وقت بدل دیجئے۔
حالی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب گرمی بڑھ رہی ہے۔ لڑکیوں کو چھوٹے سے کمرے میں تکلیف ہوتی ہے میرے خیال میں "لڑکیوں کے مدرسے کے لیے ایک پنکھا تیار ہونا چاہیئے اور ایک لڑکا پنکھا کھینچنے کے لئے رکھنا چاہیئے ورنہ برسات کا موسم تو اس تنگ مکان میں بہت ہی مشکل سے کٹے گا"[1]
سجاد حسین۔ بہت خوب۔ یہ سب ہو جائے گا۔ مگر استانی کے لیے کیا کیا جائے۔ موجودہ معلمہ غالباً اب بڑی لڑکیوں کو نہیں پڑھا سکیں گی۔
حالی۔ ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ "سارے پانی پت میں لے دے کر یہی ایک دلی کی رہنے والی معلمہ ہے اور اب شاگردیں استانی کے برابر ہو گئی ہیں بلکہ بعض اس سے بھی بڑھ گئی ہیں ۔۔۔ ایسی صورت میں اسکول قائم رہنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔"
سجاد حسین۔ دیکھیئے کوشش کروں گا کہ کوئی دوسری معلمہ مل جائے۔
(حالی حقہ پینے لگتے ہیں) بابا۔ ماں کو اس مکان کے لئے تیار کر لیجئے۔ وہ اجازت دیدیں تو مکان علیحدہ کر کے دوکان لے لی جائے۔ اس سے اچھی آمدنی ہوگی۔
حالی۔ تمہاری ماں کو اپنا وہ مکان فروخت کرنا پسند نہیں۔ پھر بھی میں انھیں سمجھاؤں گا شاید مان جائیں۔ (نیچے سے "بابا بابا" کسی بچے کے

---

[1] از مکتوبات حالی

پکارنے کی آواز آتی ہے۔ حالی کھڑکی سے جھک کر دیکھتے ہیں۔ آواز برابر آتی ہے۔)

حالی۔ حقن پکار رہا ہے۔ سجادک اُسے لے آؤں۔

سجاد حسین۔ بابا آپ کہاں جائیں گے۔ میں لے آتا ہوں۔ (نیچے چلے جاتے ہیں۔ حالی کھڑکی سے جھکے دیکھتے ہیں اور ہر آواز پر ہاں بیٹا کہہ رہے ہیں۔ باہر کے دروازے سے ایک بوڑھی عورت جوگیا ساڑھی پہنے گلے میں بہت سی مالائیں ڈالے اور ماتھے پر بھبوت ملے داخل ہوتی ہے)

ماحی۔ سلام مولبی جی۔

حالی۔ (اس کی طرف مڑکر) حضرت سلامت۔ کہو ماحی اچھی ہو۔

ماحی۔ تمہاری دعا ہے مولبی صاحب! (سجاد حسین ایک دو سالہ بچے کو گود میں لئے آتے ہیں وہ ہاتھ پھیلا کر حالی کی طرف جھکتا ہے۔ وہ اُسے گود میں لے کر گھٹنے پر بٹھا لیتے ہیں اور باتیں کرنے لگتے ہیں)

ماحی۔ اخلاق کا بچہ تم سے بہت ہلا ہے مولبی جی۔ تم بچوں کو چاہو بھی تو بہت ہو۔

حالی۔ (مسکرا کر) بچے بھی تو مجھے بہت چاہتے ہیں ماحی۔ صبح سے کتنی بار مجھے پکار پکار کر اوپر سے نیچے بلاتا رہا ہے۔

ماحی۔ (ساڑھی کے پلو کے نیچے سے ایک پیالہ نکال کر) مولبی صاحب۔ یہ تیل کی مچھلی پکائی تھی۔ تمہارے لئے لائی ہوں۔ (حالی پیالہ ہاتھ میں لے کر اُسے سونگھتے ہیں)

حالی۔ واہ۔ بہت خوش رنگ اور خوشبودار ہے (پیالہ میز پر رکھ

دیتے ہیں۔ بچہ اس کی طرف ہمکتا ہے۔ حالی بچے کو ہٹا لیتے ہیں۔ اسلام النسا
چھینٹ کا مغزی لگا فرشی پاجامہ، چھوٹی سی سفید ململ کی کرتی اور کاسنی رنگ
کا دوپٹہ اوڑھے اندر داخل ہوتی ہیں۔ عمر تقریباً پچاس سال ہے۔ ہاتھوں
میں کانچ کی چوڑیاں اور سونے کے کڑے اور کانوں میں ایک ایک سونے کی
بالیاں ہیں۔ آکر تخت پر بیٹھ جاتی ہیں۔)
حالی۔ (بچہ کو ان کی طرف بڑھاتے ہوئے) لو لی اپنے پوتے کو۔ دیکھو یہ
سیاہی پھینک دی اس نے۔ (اسلام النسار (بچے کو لے کر) شیطان کہیں
کا۔ دادا کا فرش خراب کر دیا۔
سجاد حسین۔ (قریب آکر) ماں۔ بابا اور ماموں دونوں کی یہی رائے
ہے جو میری۔ آپ اجازت دیدیں تو ....
اسلام النسار۔ (غصہ سے) بابا کی رائے ہو یا ماموں کی۔ میں اجازت
نہ دوں گی۔ لو اور سنو صاحب۔ صاحبزادے چاہتے ہیں کہ باپ دادا
کی ہڈیاں بیچ ڈالوں۔ مجھے نہیں چاہئیے دُوکان دُکان۔
حالی۔ (نرمی سے) گھر بیکار پڑا ہے۔ دکان سے دو تین روپے مہینے کی
آمدنی ہو جائے گی۔
اسلام النسار۔ نہیں جی مجھے نہیں چاہئیے کوئی آمدنی۔ سجاد تم اپنے بیٹے
کو۔ (بچہ رونے لگتا ہے) لے سجاد بچے کو نیچے اس کی ماں کو دے آ۔
(سجاد حسین بچے کو لے کر چلے جاتے ہیں۔
اسلام النسار۔ اور سنا تم نے! اپنی لاڈلی بہو کو بھی سمجھاؤ کہ ذرا بہو بن کر

رہے۔ لڑکی کا مزاج ہی نہیں ملتا۔
حالی۔ (مسکرا کر) تمھاری ہی بھتیجی ہے۔ پھپی بھتیجی ایک ذات۔ ایک مزاج۔ دونوں ہی کا مزاج، ماشاءاللہ تیز ہے۔
اسلام النسار۔ تم نے ہی اور اس کو سر چڑھایا ہے (حالی کتاب پڑھنے لگتے ہیں) عبدالولی کو آج پھر دورہ پڑ گیا۔ ماں بیٹی رو رہی ہے۔
حالی۔ (سرد آہ بھر کر) کیا کروں۔ اس کی فکر تو میرے لئے سوہانِ روح ہے۔ کون سا علاج ہے جو نہیں کر چکا۔ مگر غریب کو ایسا مرض لگا ہے کہ تندرستی کی امید ہی نہیں!
اسلام النسار۔ اور آج فرزند کا خط آیا ہے۔ اور روپے منگائے ہیں۔ ماں بیٹی کڑھ رہی ہے کہ میں بابا سے اب روپے کو نہ کہوں گی۔ پڑھتا لکھتا تو ہے نہیں بس روپے چاہئیں۔
حالی۔ میں سجاد سے کہوں گا وہ معلوم کرلیں گے کہ اسے کتنے روپے کی ضرورت ہے۔ (عطا اللہ باہر سے پکارتا ہے) اچھا بی تم اب نیچے جاؤ۔ (اسلام النسار نیچے چلی جاتی ہیں۔ عطا اللہ اندر آتا ہے۔ چائے اور بسکٹ میز پر رکھ دیتا ہے اور بڑبڑا رہا ہے۔)
حالی۔ بھئی عطاء اللہ چائے تو ٹھنڈی پالا ہوگئی۔ تھوڑی سی اور بنالاؤ۔
عطاء اللہ (چیخ کر غصے میں) اور بنالاؤ — اور بنالاؤ۔ (چائے دان لے کر چلا جاتا ہے)
مامی (جو ایک کونے میں بیٹھی مالا جپ رہی تھی) آج عطا اللہ کا مزاج

بہت بگڑا ہوا ہے۔
حالی۔ (مسکرا کر) ہاں ماما۔ کبھی ہم اس پر خفا ہو لیتے ہیں کبھی وہ ہم پر
(جیب سے روپیہ نکال کر ماما کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ وہ سلام کر کے
جاتی ہے۔ حالی چائے بنا کر پیتے ہیں۔ دروازے سے نوجوان مولوی
عبدالحق اور وحید الدین سلیم داخل ہوتے ہیں۔ حالی ان کی تعظیم کو کھڑے
ہو جاتے ہیں)
عبدالحق۔ مولانا آپ تشریف رکھئے۔ ہمیں تعظیم دے کر محجوب نہ فرمائیے۔
حالی۔ آپ لوگوں کی تعظیم نہ کروں تو کس کی کروں۔ آئندہ آپ ہی
تو قوم کے ناخدا ہونے والے ہیں۔ (سب بیٹھ جاتے ہیں۔ حالی چائے بنا کر
سب کو دیتے ہیں)
سلیم۔ آپ کا حیدر آباد کا دورہ تو بہت کامیاب رہا۔ محمڈن کالج کے
لئے خوب چندہ ہوا۔
حالی۔ ہاں اچھا خاصا ہو گیا۔ مگر سید صاحب کی امید سے کم۔
سلیم۔ یہ زمانہ سر سید اور علی گڑھ پر بڑا سخت ہے۔
حالی۔ مگر ان کا عزم اٹل ہے۔ اب بھی جی نہیں چھوڑا۔ تعمیر کا کام
برابر جاری ہے۔
عبدالحق۔ کالج میں جو غبن ہوا ہے اس کے صدمہ نے سر سید کو بالکل بٹھا
دیا۔ ایک لاکھ روپیہ کا اس بے ایمان کلرک نے نقصان پہنچایا ہے۔
حالی۔ سر سید کو اس صدمہ سے جو چوٹ پہنچی ہے وہ میں اپنے دل پر

محسوس کر رہا ہوں۔ شکر ہے کہ یہ راز کھل گیا ورنہ اس لیے ایمان کا منصوبہ تو یہ تھا کہ غبن کا الزام کسی طرح خود سرسید پر آجائے۔
سلیم۔ پھر بھی سید صاحب ذمہ داری سے بری نہیں۔ انھوں نے اس معاملے میں اس شخص پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا۔
حالی۔ سرسید کی انگریزی سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ نقصان ہوا۔ اس کی ذمہ داری جتنی ان پہ ہے اتنی ہی کالج کے ٹرسٹیوں پر ہے کہ اتنی بڑی انسٹی ٹیوشن کا بار صرف ایک شخص پر ڈال دیا گیا۔
عبدالحق۔ اس سلسلے میں میرا مضمون آپ کی نظر سے گزرا ہوگا؟
حالی۔ جی ہاں وہ تو میں نے "کئی مرتبہ پڑھا۔ اس کا زور اور سچائی اور وضاحت دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ سب سے زیادہ سچی بات جو آپ نے لکھی ہے وہ ٹرسٹیوں کی غفلت اور بے پروائی کا ذکر ہے۔"
(سجاد حسین اندر آتے ہیں اور سب سے سلام علیک کر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں)
سجاد حسین۔ عبدالحق صاحب آپ نے علی گڑھ کالج کے بارے میں سرسید کی نئی تجویز سنی؟
عبدالحق۔ سید محمود کو اپنا جانشین بنانے کے بارے میں؟ مناسب تو ہے۔
(حالی اس اثنا میں کمر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر کمرے میں ٹہلنے لگتے ہیں اور کسی سوچ میں کھوئے ہوئے ہیں)
سجاد حسین۔ مگر بعض لوگ اسے کالج کے حق میں مضر سمجھتے ہیں۔ اس طرح اپنا جانشین مقرر کرنے کی رسم پڑ جائے گی اور جمہور کو اپنا نمائندہ منتخب

کرنے کا حق نہ رہے گا۔
سلیم۔ مگر سید محمود بہت قابل آدمی ہیں۔
سجاد حسین۔ اس میں کیا شبہ ہے۔ لیکن یہ سب انگریز حکام کے اشارے پر ہو رہا ہے۔
حالی۔ (ٹہلتے ٹہلتے رک کر) سید صاحب اس پر مصر ہیں مگر میرے نزدیک یہ تقرر کالج کے حق میں بہت مضر ہو گا۔
عبدالحق۔ تو جناب نے اس امر میں سید صاحب سے بات کی ہوتی!
حالی۔ وہ سب کر چکا۔ اب مجبوراً کوئی اور راستہ اختیار کرنا ہو گا۔
(تینوں حالی کی طرف دیکھتے ہیں مگر وہ خاموش رہتے ہیں۔ ذرا دیر بعد سلیم اور عبدالحق اجازت لے کر چلے جاتے ہیں۔)
سجاد حسین۔ بابا آپ مجھے بہت فکر مند نظر آرہے ہیں۔
حالی۔ ہاں سجاد۔ محسن الملک اور وقار الملک بھی سید محمود کی جانشینی کو کالج کے لئے اچھا نہیں سمجھتے۔ تجویز یہ ہے کہ ہم تینوں کے دستخطوں سے ایک عرض داشت ٹرسٹیوں کی خدمت میں بھیجی جائے کہ وہ جلد کالج کی خبر لیں اور اسے یورپین اسٹاف کے ہاتھوں میں جانے سے بچائیں۔
سجاد حسین۔ مگر ـــ بابا ـــ سرسید آپ کے عزیز ترین دوست ہیں۔ آپ کیسے ان کی مخالفت کریں گے۔
حالی۔ بیٹا سرسید کی جو محبت اور احترام میرے دل میں ہے اس سے زیادہ کسی کا بھی نہیں۔ مگر حق کی حمایت کا احساس اور کالج کی محبت اس سے بڑھ

کر ضرور ہے۔

سجاد حسین۔ سر سید بیمار ہیں۔ ایسی کوئی بات ہوئی تو انھیں سخت صدمہ ہوگا۔

حالی۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر کالج کا معاملہ — (عطا اللہ لنگڑاتا ہوا ایک تار لے کر آتا ہے)

عطا اللہ۔ مُوجی یہ زرد لفافہ آیا ہے — توبہ — جانے کس کی سنائی آئی ہے۔

(سجاد حسین جلدی سے تار چاک کرتے ہیں — چہرہ پر رنج وغم کے بادل چھا جاتے ہیں۔)

حالی۔ (گھبرا کر) بیٹا — کیا بات ہے۔ کہو۔ نا — سب خیریت تو ہے۔

سجاد حسین۔ (آب دیدہ) بابا — سید صاحب خدا کو پیارے ہوئے۔

(حالی کا چہرہ سفید پڑ جاتا ہے وہ برابر پڑی کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیتے ہیں۔ منہ سے إنّا لِلّٰہ وإنا الیہ راجعون پڑھتے جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہیں — سجاد حسین سر جھکائے خاموش کھڑے ہیں۔ عطا اللہ پلو سے آنسو پونچھ رہا ہے — پردہ گر جاتا ہے۔)

تیسرا سین

(وہی کمرہ۔ وحید الدین سلیم، شیخ اسمٰعیل اور سجاد حسین بیٹھے باتیں کر رہے ہیں حقہ سامنے رکھا ہے۔ تینوں باری باری حقہ پی رہے ہیں۔)

سلیم۔ مولانا کی طبیعت آج کیسی ہے؟

سجاد حسین۔ بہتر ہے۔ مگر نزلہ کھانسی کا سلسلہ چل رہا ہے۔ کمزور بھی بہت ہو گئے۔

سلیم۔ مولانا کی ذات ہماری قوم کا انمول سرمایہ ہے۔ ان کی صحت کا آپ کو بہت خیال رکھنا چاہیئے۔

شیخ اسمٰعیل۔ ایک تو سرسید کے اور آپ کی والدہ کے انتقال کا ان کے دل پر سخت صدمہ گزرا۔ پھر حیاتِ جاوید کی تیاری میں انھوں نے سخت محنت کی۔ ان چیزوں کا ان کی صحت پر بُرا اثر پڑا۔

سجاد حسین۔ ہاں حیاتِ جاوید کو بابا نے بڑی محنت، خیال سوزی اور کاوش کے ساتھ تیار کیا۔ اور پھر اس کی خاطر خواہ پذیرائی نہ ہونے کا بھی ان کو قلق ہے۔

سلیم۔ اگر سرسید کے انتقال کے فوراً بعد کتاب چھپ جاتی تو زیادہ

مقبول ہوتی ۔ آجکل تو ویسے ہی علی گڑھ میں ابتری اور اختلاف ہے اور
اس کا اثر حیاتِ جاوید کی مقبولیت پر بھی پڑ رہا ہے ۔
سجاد حسین ۔ اس وقت ان سے بہت اصرار کیا گیا کہ جلد سوانح کو مکمل
کرلیں مگر ان کا اصول ہے کہ کوئی کام رواروی میں اور سرسری نہیں
کرتے ۔ اس سلسلے میں انھوں نے کسی کو لکھا تھا عربی کی ایک کہاوت ہے
"کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ کام کتنے عرصے میں ہوا ۔ سب یہ دیکھتے ہیں کہ کام
کیسا ہوا ۔ میں ہرگز اس امر میں تعجیل سے کام نہ لوں گا اور جب تک میری
مرضی کے مطابق کتاب تیار نہ ہوگی شائع نہ کروں گا ۔"
سلیم ۔ بھئی یہ نواب محسن الملک کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ کارنا کو علی گڑھ
کا پرنسپل بنانے پر تلے ہیں ۔
سجاد حسین ۔ انگریز حکام کے اشارے پر یہ سب ہو رہا ہے ۔ (حالی جو
پہلے سے زیادہ بوڑھے اور ضعیف نظر آرہے ہیں گرم کوٹ پہنے اور
گلے میں مفلر لپیٹے اندر آتے ہیں سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ حالی
صدر میں بیٹھ جاتے ہیں اور حقہ پینے لگتے ہیں ۔)
شیخ اسمٰعیل ۔ مولانا آپ نے محسن الملک کو سمجھایا نہیں کہ وہ یہ کیا کر رہے
ہیں کہ کارنا کو پرنسپل بنا رہے ہیں ۔ شاید وقار الملک بھی ان کے ہم رائے ہیں ۔
حالی ۔ نہیں ۔ نواب وقار الملک تو اس کے سخت خلاف ہیں ۔ میں نے
اور انھوں نے ٹرسٹیوں کو اس کی طرف متوجہ کیا ہے کہ یہ تجویز پاس نہیں
ہونی چاہیئے ۔ اول تو یہ ٹرسٹیوں کے حقوق میں دخل اندازی ہے ۔ آئندہ

انھیں یہ اختیار باقی نہ رہے گا کہ کسی پرنسپل کو اپنی رائے سے منتخب کریں۔
دوسرے کارناکی بدزبانی سے بہت سے لڑکے اسکول چھوڑ دیں گے۔
سلیم۔ لیکن اگر آپ کی کوششیں کامیاب ہوئیں تو کیا محسن الملک تو استعفا نہ دے دیں گے؟
حالی۔ یہ اندیشہ تو ضرور ہے۔ اور ساتھ ہی حکام کی ناراضگی کا بھی اندیشہ ہے۔ لیکن اگر "ہز آنر"[1] کے مشورے مان لئے گئے تو سکریٹری کا بلکہ تمام ٹرسٹیوں کا عدم اور موجود برابر ہو جائے گا اور محمڈن کالج بمنزلہ گورنمنٹ کالج کے ہو کر رہ جائے گا۔
سلیم۔ مولانا۔ ایک غیر متعلق سوال پوچھنے کی جرأت کرنا چاہتا ہوں۔
حالی۔ ضرور پوچھئے ـــ اس قدر معذرت کی کیا بات ہے۔
سلیم۔ یہ سوال آپ کے معتقدوں کے دل میں اکثر پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے میں خود آپ سے استفسار کی گستاخی کر رہا ہوں۔ آپ نے انگریزی حکومت کی برکات گنائی ہیں۔ ملکہ معظمہ کی حکومت کو رحمتِ الٰہی کہا ہے لیکن اب اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ فرنگی کی حکومت اور پالیسی کو قوم کے حق میں مضر سمجھتے ہیں۔ آپ کے کلام میں بھی اس تضاد کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔
سجاد حسین۔ میں بھی بابا سے یہ بات پوچھنا چاہتا تھا۔
حالی (چند لمحے کسی سوچ میں گم رہتے ہیں) یہ سوال نوجوان ذہنوں میں

---

[1] گورنر یوپی۔

پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ جن لوگوں نے ۱۸۵۷ء کا قیامت خیز سماں اور اس سے پہلے اور بعد کا پر آشوب دور نہیں دیکھا جب سارا ملک انتشار، بدامنی، قحط، مذموم رسوم وغیرہ کا شکار تھا وہ اس حالت کو سمجھ نہیں سکتے پھر اس کے بعد امن و سکون کا جو عہد آیا تو مجھ جیسے نوجوانوں کو وہ رحمتِ الٰہی معلوم ہوا۔ اور اس وقت کے جو جذبات و احساسات تھے وہ قلم سے ٹپک پڑے۔ زمانہ گزرتا گیا۔ تجربہ، علم اور مشاہدہ نے دوسرے سبق سکھائے۔ قوم کی بدحالی، فلاکت، نفاق، غلامی اور ذلت کے نئے نئے رنگ دیکھنے میں آئے — اور یہ سب دیکھ کر جس قسم کے جذبات شاعر کے دل میں پیدا ہوئے وہ بھی اس نے نظم کر دیئے۔

شیخ اسمٰعیل۔ یعنی ایک ہی شاعر متضاد باتیں کہے تو وہ معیوب نہیں سمجھا جائے گا؟

حالی۔ میاں "شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہے اور کبھی دوسری حیثیت سے اس سے نفرت دلاتا ہے ...... وہ ایک ہی گورنمنٹ کی کبھی اس کی خوبیوں کے سبب ستائش کرتا ہے اور کبھی اس کی ناگوار کارروائیوں کے سبب شکایت — جب وہ ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تو گویا دوسرے کو بالکل بھول جاتا ہے — وہ ایک نادان بچے کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہے اور کبھی ہنسنے لگتا ہے — ممکن ہے کہ شاعر کے کلام میں ایسی بے جوڑ باتیں دیکھ کر لوگ متعجب ہوں مگر

لہ اقتباس دیباچہ دیوانِ حالی

جب تک شاعر کا سا دل ان کے پہلو میں اور ویسا ہی سودا ان کے دماغ میں نہ ہو ان کا تعجب رفع ہونا مشکل ہے ،... وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہیں لکھتا کہ اس کے حقائق و واقعات کے ہر پہلو پر نظر رکھنی پڑے ۔" مثلاً آپ مسدس کے اس بند کو بجا طور پر حکومت کی تعریف پر محمول کر سکتے ہیں ۔ ؎

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں　　ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں !
صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں　　کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں !
تسلّط ہے ملکوں میں امن و اماں کا
نہیں بند رستہ کسی کارواں کا

یا یہ اشعار کہ ؎

پہنیوں کے کٹتے ہیں رستے پلوں میں　　گھروں کے سوا چین ہے منزلوں میں

اور ؎

پہنچتی ہیں ملکوں سے دم دم کی خبریں　　چلی آتی ہیں شادی و غم کی خبریں
نہیں واقعہ کوئی پنہاں کہیں کا !
ہے آئینہ احوال روئے زمیں کا

تو کیا آپ اسے فرنگی پرستی کہیں گے ۔ کہہ سکتے ہیں ۔ اس لئے کہ آپ نے وہ قیامت خیز زمانہ نہیں دیکھا جب قافلے رستے میں لوٹ لئے جاتے تھے ۔ جب کہیں امن و امان نہ تھا ۔ اور پھر سائنس کی ایجادوں اور جدید آلات نے دنیا کو جو نعمتیں بخشی ہیں ان سے ہندوستان انگریزوں کی

بدولت فیض یاب ہوا ہے۔
شیخ اسمٰعیل۔ لیکن مولانا انگریز نہ بھی آتا تب بھی یہ سب چیزیں تو دیر سویر آہی جاتیں۔
حالی۔ بہت ممکن ہے۔ مگر بہرحال شاعر نے تو جو دیکھا وہ بیان کیا۔
شیخ اسمٰعیل۔ بجا ارشاد فرمایا۔ مگر شاعر نے یہ بھی تو کہا ہے۔ ؎

جب سے سنی ہے تیری حقیقت جین نہیں اک آن ہمیں !!
اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں !!

حالی۔ جی ہاں یہ بھی شاعر کے دل کی آواز ہے۔ اس زمین میں ایک شعر اور سنئے۔ ؎

داد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
بتلائی زمانے نے ہے انصاف کی یہ پہچان ہمیں !

تو بھائی یہ بھی شاعر کا شاہد ہے۔
سلیم۔ لیکن ہندوستان کی حکومت تو آپ کو اپنا خیر خواہ سمجھتی ہے۔
شمس العلما کا خطاب جو جناب کو پیش کیا گیا ہے وہ اس کا ثبوت ہے۔
حالی۔ ؎ ہے ان کی دوستی پر ہم کو تو بدگمانی
وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ ان کی مہربانی

یہ خطاب بھی میرے لئے پریشانی کا باعث ہے "اگرچہ[1] گورنمنٹ کی طرف سے یہ ایسا اعزاز ہے جس کی ہمارے ہم چشم آرزو رکھتے ہیں مگر مجھے نزدیک

---

[1] از مکتوبات حالی۔

مصیبت معلوم ہوتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں کسی حاکم یا افسر سے کبھی نہیں ملتا۔ مگر اب جب کوئی حاکم ضلع پانی پت میں آوے گا ــــ لامحالہ وہاں جانا پڑے گا" ــــ سو میں کہاں اور یہ وبال کہاں؟

(عطا اللہ شو شو کرتا ہوا آتا ہے اور چائے کی کشتی لاکر سامنے رکھ دیتا ہے)

حالی ۔ عطا اللہ سردی کھا رہے ہو۔ کچھ اوڑھ آؤ۔

عطا اللہ۔ (غصّے سے) اوڑھ آؤ ــــ اوڑھ کیا آؤں۔ رضائی بنائی ہی نہیں!

(حالی اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ کھونٹی پر چھینٹ کی نئی رضائی تہہ کی ہوئی رکھی ہے اُٹھ کر اُسے اتارتے ہیں اور عطا اللہ کی طرف بڑھاتے ہیں۔)

حالی ۔ لو بھائی رات کو اسے اوڑھ لینا۔

عطا اللہ (چہرے پر تشکر، آنکھوں میں چمک اور آنسو) یہ مجھے دے رہے ہو مولبی صاحب! اللہ تمھیں سلامت رکھے کھیڈیں بس ایسا مالک بھی کسی کو نہ ملا ہوگا (دعائیں دیتا باہر جاتا ہے۔ حالی سر جھکائے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ تینوں نوجوان ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔)

(پردہ گر جاتا ہے)

چوتھا سین

(وہی کمرہ۔ حالی پہلے سے زیادہ بوڑھے اور کمزور نظر آرہے ہیں۔ سن و سال ۸۰ ہے۔ ایک کتاب پاس رکھی ہے۔ ایک ادھیڑ عمر کا جلا ہا رنگین موٹے کھدر کی کرتی اور سفید کھدر کا تہمد باندھے کھڑا چوخانہ کا ایک تھان دکھا رہا ہے۔ سجاد حسین برابر تخت پر بیٹھے ہیں۔ ان کے بالوں میں کچھ کچھ سفیدی آ چلی ہے)

حالی۔ (تھان کا کپڑا ہاتھ میں لے کر) دیکھو سجاد۔ خدا بخش نے کیا عمدہ تھان بُنا ہے۔

سجاد۔ جی ہاں سوت بھی باریک ہے اور بُنا بھی صفائی سے گیا ہے۔

حالی۔ بھئی خدا بخش یہ تھان ہم لئے لیتے ہیں۔ اور دو بالکل ایسے ہی اور تھان ہمیں بنا دو۔ ہم اپنے دوستوں کو تحفے میں بھیجیں گے کہ ہمارے پانی پت میں اتنا اچھا کپڑا بُنا جاتا ہے۔

خدا بخش۔ خدا حضور کو سلامت رکھے میاں آپ ہی لوگوں کی سرپرستی کی بدولت ہم غریبوں کی روزی چلتی ہے۔

حالی۔ خدا بخش تم لوگ ہی تو اصل میں انسان ہو۔ فخرِ نوعِ بشر ہو[1]
کھپاتے ہو کوشش میں تاب و تواں کو ‏ ‏ گھلاتے ہو محنت میں جسم اور جاں کو
سمجھتے نہیں اس میں جاں اپنی جاں کو ‏ ‏ کہ رکھتے ہو مر مر کے زندہ جہاں کو
یہ چلتی ہے گاڑی تمہارے سہارے
جو تم کل سے بیٹھو تو بے کل ہوں سارے

خدا بخش (آنکھوں میں مسرت کے آنسو بھرے ہیں) مولوی صاحب۔ جندگی میں آج پہلی دفا کسی عالم پھاضل آدمی کے منہ سے گریب پرجا اور مزدور کی تاریپھ سنی ہے۔ کیا مولوی صاحب ــ ہم سچ مچ عزت کے کابل ہیں؟

حالی۔ (محبت اور احترام کے ساتھ) بھائی اصل میں سچی عزت اور تعریف کے حقدار تو تم ہی لوگ ہو۔

خدا بخش۔ تو میاں پھر میں جاؤں؟ اگلی جمعرات کو دونوں تھان لیکہ آؤں گا۔ سلام میاں۔

حالی اور سجاد حسین۔ سلام بھئی۔ (خدا بخش جاتا ہے اس وقت وحید الدین سلیم اور لالہ تلسی رام اندر داخل ہوتے ہیں اور سلام کے بعد بیٹھ جاتے ہیں)

حالی۔ سجاد ــ عطا اللہ سے کہو چائے لے آئے۔ (سجاد حسین باہر جاتے ہیں)

---

[1] اصل شعر دوں میں ہے "ہے جس کو ہو کہ دیا ہے۔ مسدس حالی۔

تلسی رام۔ خواجہ صاحب آپ نے سجاد میاں سے بنارسی داسس کی سفارش تو کر دی ہوگی۔

حالی۔ جی ہاں میں نے سجاد سے کہدیا ہے اور انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ جو ہو سکے گا ان کے لئے کریں گے۔

تلسی رام۔ خواجہ صاحب کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں یا آپ میرا بھائیوں کی طرح خیال رکھتے ہیں۔ نہیں تو آج کل تو ہندو مسلمانوں میں اس قدر کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے کہ جس نے صدیوں کی دوستی اور محبّت کو ختم سا کر دیا ہے۔ جو پہلے ایک جان دو قالب تھے وہ اب ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں۔

سلیم۔ اس میں ان تفرقہ ڈالنے والی کتابوں اور رسالوں کا بڑا ہاتھ ہے جو آجکل ادھر ادھر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

(سجاد حسین چائے لے کر آتے ہیں اور میز پر رکھ کر سب کے لئے چائے بنانے لگتے ہیں)

حالی۔ "جو[1] لوگ ہندو مسلمانوں میں تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے والی کتابیں لکھتے ہیں وہ ہندوستان کے سخت دشمن ہیں خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ برہمو ہوں یا آریا۔"

تلسی رام۔ وجہ کچھ ہو اس میں شک نہیں کہ مصیبت بڑھتی جا رہی ہے اور مجھے تو اب کوئی صورت ایسی نظر نہیں آتی کہ پھر سے ان دونوں قوموں میں

---

[1] اقتباس از مضمون شائع کردہ رسالہ زمانہ

دوستی اور محبت پیدا ہو سکے۔

حالی۔ بھائی صاحب میں آپ سے متفق نہیں۔ "حقیقت میں اس سے زیادہ کوئی غلط خیال نہیں ہو سکتا کہ ہندو مسلمانوں میں دوستی اور یک جہتی کے روابط مستحکم نہیں ہو سکتے۔ بیشک بدقسمتی سے ایسے چند ناشدنی اسباب پیدا ہو گئے ہیں جن سے بالفعل دونوں قوموں کی ایک محدود جماعت کے دل ایک دوسرے سے پھٹ گئے ہیں۔" لیکن یہ اسباب خدا کریگا دور ہونگے۔ حقیقت میں بغیر اتفاق اور یک جہتی کے دونوں قوموں کا ملک میں رہنا اور گورنمنٹ کی نظر میں عزت و توقیر پیدا کرنا غیر ممکن ہے ؎

ملک ہیں اتحاد سے آزاد	شہر ہیں اتفاق سے آباد
ہند میں اتفاق ہوتا گر	کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر

تلسی رام۔ خواجہ صاحب اس نفاق میں بدیسی حکومت کی پالیسی کا بڑا دخل ہے۔

حالی۔ بیشک حاکم قوم کی پالیسی یہی ہے کہ اپنوں کو آپس میں بھڑاؤ اور حکومت کرو۔ تدبیر قیام سلطنت اسی کا نام ہے۔ کچھ دن ہوئے شاعر نے کہا تھا ؎

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح	دال پاؤں جمانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اس کے یہ تھی مشورہ دیتی	یہ حرف سبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
پر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر	مانو اسے اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام کئے جاؤ وہ لیکن	جو بات سبک ہو اسے منہ سے نہ نکالو۔

سلیم۔ سبحان اللہ! کس خوبی سے بدیسی حکومت کی پالیسی کو چند شعروں میں بیان کر دیا ہے۔

تلسی رام۔ واہ مولوی صاحب دریا کو کوزے میں بند کرنا اسی کو کہتے ہیں اعجاز ہے اعجاز۔

سلیم۔ اب یہ نااتفاقی مذہبی محاذ تک ہی نہیں تہذیب اور کلچر میں بھی کارفرما ہوتی
جاتی ہے۔ ہندی اردو کا جھگڑا جو پہلے کبھی نہیں اُٹھا تھا اس کا مبین ثبوت ہے۔
حالی۔ جی ہاں یہ بھی اس منحوس تعصب کی فتنہ انگیزی ہے جو انسان کو اندھا اور بہرا
کر دیتا ہے۔ اس نامراد نے ہزاروں گھر گھانے سیکڑوں قوموں کو برباد کیا کتنے ملکوں کو تباہی
کے غار میں پھینکا۔
سجاد حسین۔ بابا یہ اُردو ہندی کا مسئلہ آخر کیسے حل ہو سکتا ہے۔
سلیم۔ میں یہ سوال کرنے ہی والا تھا۔
حالی۔[1] ملک کی بدقسمتی سے جو اختلافات ہندو مسلمانوں میں اُردو زبان کی مخالفت یا
اس کی حمایت کی وجہ سے برپا ہیں اس کی رفع دفع اگر ہو سکتی ہے تو اس طریقے سے ہو سکتی ہے کہ ہندو
تعلیم یافتہ اصحاب کشادہ دلی اور فیاضی سے اُردو زبان میں جو درحقیقت برج بھاشا
کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اس طرح تصنیف تالیف کریں جس طرح لالہ سری رام نے
کی ہے۔ اور مسلمان مصنفین بے ضرورت اُردو میں عربی و فارسی کے غیر مانوس الفاظ
استعمال کرنے سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کریں۔ اور ان کی جگہ برج بھاشا کے مانوس اور
عام فہم الفاظ سے اُردو کو مالا مال کرنے کی کوشش کریں۔
سلیم۔ جیسی زبان خود جناب نے بعض نظموں میں اور خصوصاً مناجاتِ بیوہ میں استعمال کی ہے۔
تلسی رام۔ اس نظم کی زبان تو ایسی میٹھی اتنی سادہ ہے کہ میں نے تو آج تک کسی نظم کی
ایسی زبان دیکھی نہیں۔
حالی۔ اُردو پر قدرت حاصل کرنے کے لئے صرف دلی اور لکھنؤ کی زبان کا تتبع ہی کافی

---

[1] تبصرہ خمخانۂ جاوید کا اقتباس۔

نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ عربی و فارسی میں کم سے کم متوسط درجے کی لیاقت اور ساتھ ہی ہندی بھاشا میں دست گاہ بہم پہنچائی جائے۔ (عطا اللہ لنگڑاتا ہوا اندر آتا ہے)

عطا اللہ۔ میاں ایک صاحب لکھنؤ سے آئے ہیں۔

حالی۔ ہاں ہاں منشی دیا نرائن نگم آئے ہوں گے۔ سجاد جاؤ انہیں لیکر آؤ (سجاد حسین جاتے ہیں اور ذرا دیر میں عطا اللہ ایک چھوٹا سا بکس لئے اندر آتا ہے۔ پیچھے پیچھے نگم اور سجاد داخل ہوتے ہیں۔ حالی اٹھکر ان کی پیشوائی کرتے ہیں۔ سب لوگ ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں۔)

حالی۔ کہیئے سفر تو آرام سے کٹا۔

نگم۔ جی ہاں خوب آرام سے آیا۔

سلیم۔ مکان تلاش کرنے میں تو کوئی دقت نہیں ہوئی؟

نگم۔ جی بالکل نہیں۔ جیسے ہی میں نے مولانا کا نام لیا۔ یکے والا بول اٹھا "جی میاں مولوی صاحب کو کون نہیں جانتا"۔

حالی۔ (مسکرا کر) جی ہاں جو شخص شیطان کی طرح مشہور ہو اُسے کون نہ جانے گا۔ اچھا میاں سجاد گرم چائے منگواؤ۔ نگم صاحب تھکے ہوئے ہیں چائے سے طبیعت چاق ہو جائے گی۔

(سجاد حسین عطا اللہ کو جو ایک طرف کھڑا تھا چلئے دان دیتے ہیں وہ لیکر چلا جاتا ہے)

نگم۔ مولانا۔ میں نے مسلمان مشاہیر ہند سے سودیشی تحریک کے بارے میں کچھ سوالات پوچھے ہیں۔ اور آج اس سلسلے میں آپ کے پاس بھی حاضر ہوا ہوں کہ جناب کی رائے سے

استفادہ کروں (جیب سے ایک کاغذ نکال کر) میں نے اپنے سوالات لکھ لئے ہیں۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔

حالی۔ شوق سے۔

نگم۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کے خیال میں سودیشی تحریک بذات خود ملک کی ترقی کے لئے کہاں تک مفید ہے؟

حالی۔ میں تو سودیشی تحریک کو اپنے ملک کے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی، بدحالی اور تباہی کی ایک بہت بڑی وجہ اس کا اپنی ضروریات کے لئے دوسرے ملکوں کا محتاج ہونا ہے۔ ہماری روئی کوڑیوں کے مول دوسرے ممالک کو جاتی ہے اور وہاں سے جو کپڑا بن کر آتا ہے وہ بیسیوں گنے دام پر ہم خریدتے۔

تلسی رام۔ مولانا تو خود پانی پت کا بنا ہوا کھدر بڑے شوق سے پہنتے ہیں۔

حالی۔ اس وقت تو ہمارے ملک کی یہ حالت ہے بھائی کہ ؎

اگر اک پہننے کو ٹوپی بنائیں ! تو کپڑا ہم اک اور دنیا سے لائیں
جو سینے کو ہم ایک سوئی منگائیں تو مشرق سے مغرب[1] کو لینے کو جائیں

ہر اک شے میں غیروں کے محتاج ہیں ہم
مکینکس کے رد میں تاراج ہیں ہم

نہ پاس اپنے چادر نہ بستر ہے گھر کا نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہے گھر کا صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا

---

[1] از مسدس "وہ" کی جگہ "ہم" کر لیا ہے۔

کنول مجلسوں میں قلم دفتروں میں
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھروں میں

سلیم۔ جناب نے ان اشعار میں ہندوستانیوں کی موجودہ حالت کا کیسا سچا نقشہ کھینچا ہے۔

نگم۔ اور جناب کے خیال میں سودیشی تحریک میں ہندو مسلمانوں کے اتفاق کی کہاں تک ضرورت ہے اور مسلمانوں کو اس سے کہاں تک نفع یا نقصان پہنچنے کی امید ہے؟

حالی۔ ہندو مسلمانوں کے اتفاق کی نہ صرف سودیشی تحریک میں بلکہ ہر کام میں جو ہندوستان کی عام بھلائی کے لئے کیا جائے' اشد ضرورت ہے۔ ورنہ کوئی کام اور کوئی تحریک بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتی ۔۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں سودیشی کی تحریک جیسی ہندوؤں کے حق میں مفید ہے ویسی ہی مسلمانوں کے حق میں مفید ہے۔ لیکن حال یہ ہے کہ برادرانِ وطن اس مفید تحریک کا خیر مقدم کر رہے ہیں لیکن مسلمان اگرچہ اس کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے لیکن عملی طور پر وہ اب تک اس سے الگ ہیں اور اندیشہ ہے کہ اس سے انھیں بہت نقصان پہنچے گا۔

نگم۔ آپ کے خیالات اس امر میں اس قدر واضح اور اہم ہیں کہ دونوں فرقوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے۔ خواجہ صاحب یہ بتایئے کہ ہمارے محنت کش اور کامگار طبقے پر سودیشی تحریک کا کیا اثر پڑے گا۔

حالی۔ ہاں بھائی اس تحریک کا سب سے اہم اور مفید پہلو تو یہی ہے کہ وہ طبقہ جو

ہمارے ملک میں بہت بڑی تعداد میں سے ایسی اشیاء کے استعمال کے رواج کی وجہ سے مارا جا رہا ہے۔ یہ طبقہ جس کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا جو ہمارے سے نکمے اور بے کار لوگوں کو روٹی کپڑا اور ضرورت کا ہر سامان مہیا کرتا ہے ایک طرف معاشی بدحالی کا دوسری طرف ظلم و زیادتی اور ناانصافی کا بُری طرح شکار ہو رہا ہے۔

(عطا اللہ چائے لاتا ہے۔ سجاد حسین چائے بنا کر نعیم کو اور ایک پیالی حالی کو دیتے ہیں۔ باتیں جاری ہیں اور چائے بھی پی جا رہی ہے۔)

سلیم۔ جناب نے تو مسدس میں اس طبقے کو فخرِ بنی نوع البشر کا خطاب دیا ہے۔

حالی۔ بے شک میں تو انھیں کو سچا انسان اور انسانیت کا حامل سمجھتا ہوں۔ سے

یہاں اک فریق اور ان کے سوا ہے — مشرف جس سے نوع البشر کو ملا ہے
سب اس بزم میں جن کی نور و ضیا ہے — سب اس باغ کی جس سے نشو و نما ہے

ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر
بنے ہیں زمانے کی خدمت کی خاطر

نہ راحت طلب ہیں نہ مہلت طلب وہ — لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ
نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ — بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں جب وہ

وہ بھٹکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

(سب لوگ داد دے رہے ہیں اور جھوم رہے ہیں)

حالی۔ ؎ زمیں سب خدا کی ہے گلزار انھیں سے
زمانے کا ہے گرم بازار انھیں سے
ملے ہیں سعادت کے آثار انھیں سے کھلے ہیں خدائی کے اسرار انھیں سے
انھیں پر ہے کچھ فخر گر ہے کسی کو
انھیں سے ہے گر ہے شرف آدمی کو

نگم۔ سبحان اللہ آب زر سے لکھے جانے والے خیالات ہیں مولانا۔
سجاد حسین۔ جی ہاں مگر اس طبقے کو تو بدیسی حکومت سب سے زیادہ کچل رہی ہے اور ان کی ہر صنعت دست کاری کو خاک میں ملایا جا رہا ہے۔
حالی۔ (آہ سرد کے ساتھ) ہاں بھائی ؎
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تم نے گلشن میں
یہ گلچینی ہے یا لُٹش ہے کہیں یا ہے مستزاقی
اور پھر معاشی استحصال پر ہی کیا موقوف ہے ہر طرح کی لُٹش بھی ہوئی ہے یہاں تو ؎
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نگم۔ ایک سوال اور کرنے کی جرأت کروں گا۔ کیا آپ کے خیال میں سودیشی کی تحریک ہمارے ملک میں کامیاب ہوگی؟
حالی۔ بے شک۔ مجھے تو اس تحریک کی کامیابی کا دل سے یقین ہے۔ یہ ایسا حربہ ہے جو بڑے سے بڑے وار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہماری

غلامی اور بدحالی کا سبب سیاسی سے زیادہ معاشی ہے۔ جس دن معاشی غلامی سے چھٹکارا ہو گیا سیاسی غلامی کے بندھن بھی ٹوٹنے کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ اس تحریک کا اثر ملک پر ضرور ہو گا۔ لوگوں کو اس سرنگ کا راستہ معلوم ہو گیا ہے جس راستے سے ملک کی دولت غیر ملکوں کو کھنچی چلی جا رہی ہے۔ مگر اس رستے کا سنہ بند کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ بڑا کٹھن بڑا صبر آزما کام ہے۔ اس راہ میں بہت سے روڑے اٹکائے جائیں گے۔ بہت سے مصائب جھیلنے پڑیں گے ــــ اگر ایک صدی میں بھی ہندوستان غیر ملکوں کی مصنوعات کا مقابلہ کرنے قابل ہو جائے تو سمجھو بہت جلد کامیابی ہو گئی۔

نگم۔ ایک صدی!! مولانا سو سال میں تو ہندوستانی قوم تباہ ہو جائیگی۔

حالی۔ بھائی میں اپنا خیال ظاہر کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ خدا کی مہربانی شامل حال ہو اور اس تحریک کو سیدھے رستے پر چلانے والا کوئی مردِ مجاہد ہماری قوم میں ایسا پیدا ہو جائے جو اس سودیشی کی تحریک کے بل پر ملک کی سیاست ہی بدل ڈالے اور دیس کو غلامی کی لعنت سے آزاد کرا سکے.... کون... جانے ــ!!

(فوراً ہی پس منظر سے گاندھی جی کی آواز سنائی دیتی ہے جو سودیشی کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہیں ــ اور پھر تیزی سے پردہ گر جاتا ہے)